شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کے مسلک سے متعلق ضروری وضاحت

اور چند علمی مباحث دلائل اور حضرتؒ کی تحریرات کی روشنی میں

مرتب

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء

ناشر

تفصیلات

نام کتاب : شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب کے مسلک سے متعلق ضروری وضاحت

مرتب : محمد زید مظاہری ندوی (استاد حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

صفحات :

سن اشاعت : جمادی الاخری ۱۴۳۹ھ

تعداد :

قیمت :

ویب سائٹ : www.alislahonline.com

☆☆☆

ملنے کے پتے

(۱) ادارہ افاداتِ اشرفیہ، دوبگا، ہردوئی روڈ لکھنؤ

(۲) ندوی بک ڈپو، ندوۃ العلماء لکھنؤ

(۳) دیوبند وسہارنپور کے کتب خانے

(۴) جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڈ، گجرات

(۵) جامعہ فلاح دارین ترکیسر، گجرات

فہرست مضامین

نمبر	مضامین	صفحہ
۱	عرض مرتب	
۲	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کے مسلک کی وضاحت کا محرّک	
۳	کسی شخصیت کے عقائد اور افکار و نظریات معلوم کرنے کا طریقہ	
۴	سلفیوں کے مسلک کی تائید یا حنفی مسلک کی تردید؟	
۵	فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق حضرت شیخؒ کی تحقیق	
۶	عورتیں نماز میں مردوں کی طرح بیٹھیں یا تورُّک کریں؟	
۷	تنعیم اور مسجد عائشہؓ سے عمرہ کا احرام باندھنا مشروع ہے یا بدعت؟	
۸	ایک جانور کی قربانی سارے گھر والوں کی طرف سے کافی ہو سکتی ہے یا نہیں؟	
۹	بھینس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟	
۱۰	مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دو ہاتھ سے؟	
۱۱	حضرت شیخؒ کا تصوف سے گہرا ربط	
۱۲	اجتماعی ذکر اور ذکر بارہ تسبیحات بدعت ہے یا نہیں؟	
۱۳	اذکار و اشغال سے متعلق حضرت شیخ کا اہم مکتوب	
۱۳	لفظ اللہ اللہ ذکر مفرد کے متعلق حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ارشاد	
۱۴	بعض کبار صوفیا پر تنقید کی وجہ	
۱۵	فضائل اعمال کتاب پر احادیثِ ضعیفہ ہونے کا اعتراض اور اس کا جواب	

۱۶	یوم عاشوراء میں گھر میں کھانے میں فراخی اور وسعت کرنے کی تحقیق	
۱۷	پندرہویں شعبان کی فضیلت حدیثوں سے ثابت ہے یا نہیں؟	
۱۸	رُقیہ اور تعویذ شرک ہے یا نہیں؟	
۱۹	انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام عالم برزخ میں زندہ ہیں یا نہیں؟	
۲۰	اور اصحاب قبول واولیاء سے فیض ہوسکتا ہے یا نہیں؟	
۲۱	استواء علی العرش اور نزولِ باری تعالیٰ سے متعلق علمی تحقیق	
۲۲	استواء علی العرش سے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کی تشریح	
۲۳	خلف کو تاویل کی ضرورت کیوں پیش آئی؟	
۲۴	علماءِ دیوبند کا مسلک	
۲۵	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب کا نقطۂ نظر	
۲۶	حضرت شیخؒ کی تقریر کا خلاصہ	
۲۷	متأخرین کے مسلک کے مطابق استویٰ علی العرش کی مناسب تاویل	
۲۸	کسی محقق کا تحقیق کی بنا پر بعض مسائل میں اپنے امام یا فقہاءِ مجتہدین کے خلاف رائے قائم کرنا ان کی تقلید واتباع کے منافی نہیں	
۲۹	مسائل کی تحقیق میں ہمارے اکابر علماء کا تفوق وامتیاز اور عدل وانصاف	
۳۰	دوسرے محققین کی چند اور مثالیں	
۳۱	حضرت شیخؒ کے مسلک کا خلاصہ	
۳۲	حضرت شیخؒ کے مسلک کا خلاصہ	

۳۳	خروج عن اختلاف العلماء کی کوشش	
۳۴	امام کی تقلید میں غلو سے انحراف	
۳۵	میں فقہ میں فقہائے متأخرین کا متبع نہیں ہوں	
۳۶	ضرورت کے وقت دوسرے ائمہ کی تقلید	
۳۷	میں حنفی المسلک ہوں لیکن مقلد جامد نہیں	
۳۸	عمدۃ القاری کے مقابلہ فتح الباری کی ترجیح	
۳۹	ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ	
۴۰	چند ضروری تنبیہات	
۴۱	حضرت شیخ کے علمی تبرکات درس بخاری اور علمی مکتوبات وملفوظات	
۴۲	تعلیقات بخاری ومسلم	
۴۳	حضرت شیخؒ کا درس بخاری	
۴۴	حضرت شیخؒ کے مکاتیب علمیہ	
۴۵	حضرتؒ کے جوابات لکھنے کا طریقہ	
۴۶	حضرتؒ کی احقر سے ناراضگی اور اس کا ایک سبب	
۴۷	حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب کا ایک واقعہ	
۴۸	تحدیث نعمت	
۴۹	حضرت شیخؒ کے علمی واصلاحی ملفوظات	
۵۰	مولانا صدیق احمد صاحب کے ملفوظات کی اہمیت حضرت شیخ کی نگاہوں میں	

۵۱	ختم بخاری شریف کا اہتمام	
۵۲	ختم بخاری شریف کا دوسرا مصداق	
۵۳	حوادث ومصائب کے وقت ختم بخاری شریف کرانا کیا بدعت ہے؟	
۵۴	ختم بخاری شریف اور اس میں دعاء کا اہتمام	
۵۵	ختم بخاری شریف کے متعلق حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کا مکتوب	
۵۶	ختم بخاری کے سلسلہ میں حضرت مولانا صدیق احمد باندویؒ کا مکتوب	
۵۷	اصحاب دار العلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور کا طرز عمل	
۵۸	حضرت شیخؒ کا ختمِ بخاری شریف کا درس	

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ مرتّب

احقر نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونسؒ کے حالات پر مشتمل دو مقالے لکھنے کا ارادہ کیا تھا، ایک حضرت کے علمی کمالات پر مشتمل تھا، اور دوسرے حضرت کے عملی کمالات پر۔

پہلا مقالہ لکھنے کے ضمن میں حضرت شیخ کے مسلک اور تقلید وعدمِ تقلید کی بحث بھی آگئی کہ آپ کسی مسلک کے مقلّد و متّبع تھے یا نہیں؟ یا سلفیت اور غیر مقلدیت کی طرف مائل تھے، لوگوں نے اِس سلسلے میں مختلف باتیں اپنی اپنی معلومات اور ذوق کے مطابق تحریر فرمائی ہیں، احقر نے اِس موضوع کو ضرورۃً قدرے تفصیل سے حضرت شیخؒ کی تحریرات کی روشنی میں تحریر کیا ہے، جس سے بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور ہر شخص بآسانی یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ آپ کسی مسلک کے مقلّد و متّبع تھے یا نہیں؟ تھے تو کس مسلک کے؟

اِس سلسلے میں احقر نے اِسی نوع کے چند اختلافی مسائل بھی ذکر کیے ہیں، مثلاً: استویٰ علی العرش اور صفاتِ باری تعالیٰ کی بحث، فرض نمازوں کے بعد دعاء کا مسئلہ وغیر ذٰلک اِس غرض سے کہ یہ مقالہ صرف حضرت شیخ کے مسلک کی وضاحت ہی کے لیے نہ ہو، بلکہ اِس بہانے ان مختلف فیہا مسائل کی تحقیق بھی دلائل کی روشنی میں ہوجائے، اور جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کی پوری وضاحت اور صحیح بات بھی

لوگوں تک پہنچ جائے؛ اِسی غرض سے احقر نے اِن چند مسائل کی تفصیل عرض کی ہے، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمائے، اور خیرِ کثیر کا ذریعہ بنائے۔

ہم بہت بہت شکر گزار ہیں جناب مولانا مفتی محمد طاہر صاحب سورتی اور مولانا داؤد صاحب کے جنہوں نے اس مجموعہ کی کمپوزنگ میں بھرپور تعاون فرمایا اور انہیں کی محنت وکوشش کی وجہ سے یہ رسالہ جلد منظرِ عام پر آنے کے قابل ہوسکا۔

اسی طرح ہم بہت شکر گزار ہیں شیخ الحدیث جناب مولانا محمد حنیف صاحب لوہاروی اور مولانا محمد جابر صاحب اور جناب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کے جن کی توجہ وتعاون سے اس کی طباعت اور نشر واشاعت کا انتظام ہوسکا، اللہ تعالیٰ ان سب محسنین کو اپنی شایانِ شان جزائے خیر نصیب فرمائے۔ آمین

محمد زید مظاہری ندوی

استاذِ حدیث وفقہ

دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۰ر محرم ۱۴۳۹ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین محمدٍ وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب ؒ کے مسلک کی وضاحت کا محرّک

احقر کا احساس یہ ہے کہ کسی شخص یا جماعت کے بارے میں اِس بات کو موضوعِ بحث بنانا کہ اُن کا مسلک کیا تھا، وہ مقلّد تھے یا غیر مقلّد، حنفی وشافعی تھے یا مالکی وحنبلی؟ اگر اِس میں امّت کا کوئی علمی یا دینی فائدہ نہ ہو، تو یہ بحث محض لا حاصل ہے؛ بلکہ بسا اوقات مُضر ہوجاتی ہے کہ اُن کے مآثرِ علمیّہ سے استفادہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے کہ وہ تو ہمارے مسلک اور ہماری جماعت سے خارج تھے، اور اُن کے افکار وخیالات ہمارے اکابر ومشائخ سے علیٰحدہ تھے، یہ بدگمانی بسا اوقات بدزبانی کا بھی ذریعہ بن جاتی ہے، ورنہ کم از کم استفادہ کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے؛ اس لیے بلا ضرورت اِس بحث میں پڑنے کی کوئی خاص منفعت نہیں، البتہ بوقتِ ضرورت، بقدرِ ضرورت اس کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب ؒ کے تعلّق سے اُن کی حیات میں بھی اور بعد وفات بھی مختلف قسم کی ایسی باتیں لوگوں کی تقریروں وتحریروں میں آئی ہیں، جن سے لوگ حضرت شیخ ؒ کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہوسکتے ہیں یا غلط فہمی کا شکار ہو سکتے ہیں، جس کا نقصان یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت شیخ کے علمی واصلاحی افادات؛ خواہ وہ کسی

بھی نوعیت کے ہوں، مثلاً: آپ کے مکاتیبِ علمیّہ، درسِ بخاری اور کتبِ حدیث اور فنِ حدیث سے متعلق مختلف مباحثِ علمیہ، اور مختلف موضوعات سے متعلق آپ کے لکھے ہوئے اجزاء ورسائل اِن سب کو بھی ناواقف حضرات اسی شک کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے۔

حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد مختلف مضمون نگار حضرات نے حضرتؒ کے حالات اور آپ کے افکار ونظریات کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ: آپ پکّے حنفی اور دیوبندی تھے، اور بعض مسائل میں اپنی تحقیق کی وجہ سے اختلاف کرنے سے حنفیت ودیوبندیت سے خارج نہیں ہوجائیں گے۔

بعض لوگوں نے فرمایا کہ آپ ابتدائی دور میں تو مقلد تھے، اور حنفی تھے؛ لیکن بعد میں سلفیت کی طرف مائل ہوگئے، تقلید کے دائرے سے نکل کر گویا غیر مقلد بن گئے۔

بعض حضرات نے حضرتؒ کا یہ مقولہ تحریر فرمایا کہ: اگر میں کسی امام کا مقلد ہوتا تو امام شافعیؒ کا مقلد ہوتا، بعض حضرات نے تحریر فرمایا کہ: حضرت محدّث تھے، اہلِ حدیث کے مسلک پر تھے، کسی امام کے مقلّد نہ تھے۔

بعض مضمون نگار حضرات نے آپؒ کے درسِ بخاری کے چُن چُن کر چند ایسے اقتباسات جمع کردیئے، جن سے یقینی طور پر یہ تأثر ہوتا اور ذہن بنتا ہے کہ حضرت شیخؒ کسی امام کے مقلّد نہیں تھے، سلفی ذہن رکھتے تھے، فروعی مسائل کے علاوہ اصول وعقائد میں بھی سلفیت کی طرف مائل تھے، اور چونکہ حوالوں کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے، اقتباسات بھی نقل کیے ہیں، اس لیے قارئین کا اِس سے متأثر ہونا اور شکوک وشبہات میں مبتلا ہونا یقینی ہے، جس کا ضرر خدا نخواستہ ہوسکتا ہے کہ حضرت شیخ کی علمی تحقیقات وافادات اور درسِ بخاری وغیرہ اتنی قدر ومنزلت اور اتنی عقیدت ومحبت سے نہ دیکھی وپڑھی جائیں، جس کی وہ مستحق ہیں۔

اس لیے واقعی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ حضرت شیخؒ کے افکار وخیالات اور ان کے عقیدہ ومسلک کی وضاحت کردی جائے، تاکہ لوگ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں، اور اِس سلسلے میں احقر کی کوشش یہی ہوگی کہ جو کچھ عرض کیا جائے حضرتؒ ہی کی تقریر یا تحریر کے حوالے سے عرض کیا جائے۔

الحمدللہ! احقر کا حضرتؒ سے قریبی تعلق رہا ہے، کئی سال حضرت اقدس کی خدمت کرنے اور حضرت کی صحبتِ صالح سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل رہی ہے، حدیثِ پاک کی کتابیں: بخاری ومسلم کے علاوہ فقہ وفتویٰ کی مشہور کتابیں: درِّ مختار ورسم المفتی بھی حضرت سے پڑھنے کی سعادت ملی ہے، حضرت کو بہت قریب سے سفر وحضر میں دیکھا اور سمجھا ہے، الحمدللہ! سفرِ حج میں بھی حضرت کی معیت کی توفیق ملی ہے۔

حضرت کی علمی واصلاحی مجالس میں برابر شرکت رہتی تھی، اور حضرت کی علمی مجالس وملفوظات کو کئی کاپیوں میں جمع بھی کیا ہے، اور خود حضرتؒ نے اِس ناکارہ پر حسنِ ظن اور اعتماد رکھتے ہوئے اپنے تمام مکاتیبِ علمیہ- جو متعدد دفاتر میں محفوظ تھے- احقر کے حوالے کر کے اس کو مرتب کرنے کا حکم دیا، اس لیے احقر جو کچھ بھی عرض کرے گا ان ہی مکاتیبِ علمیہ یعنی حضرتؒ کی تحریرات کی روشنی میں پوری بصیرت اور دیانت کے ساتھ عرض کرے گا۔

حضرت شیخؒ کے مسلک اور اُن کی فکر ونظر معلوم کرنے کا سب سے زیادہ اطمینان بخش، قابلِ اعتماد طریقہ یہ ہے کہ مختلف موضوعات، خصوصاً اختلافی مسائل سے متعلق آپ سے کیے گئے سوالات کے جوابات کو بغور دیکھ لیا جائے کہ وہ کس مسلک کے ہیں، اُن میں کس مسلک کی نمائندگی وترجمانی اور حمایت ووکالت کی گئی ہے، سلفی مسلک کی اور ابن

تیمیہ وابن قیم کی فکر ونظر اور غیر مقلدین کے نقطۂ نظر کی وکالت کی گئی ہے، یا ائمۂ اربعہ میں سے کسی امام مثلاً: امام ابوحنیفہ وامام شافعیؒ وغیرہ کے مسلک کی ترجمانی کی گئی ہے؟

اِس حقیقت پر غور کرنے سے ادنیٰ علم وفہم رکھنے والا بھی بہ آسانی فیصلہ کرسکتا ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے اساتذہ واکابر اور اپنے مشائخ کے مسلک وعقیدہ اور اُن کے مشرَب پر قائم تھے یا نہیں؟ آئندہ سطور میں ہم اِسی غرض سے مختلف موضوعات سے متعلق حضرت شیخؒ کے لکھے ہوئے سوالات کے جوابات بہ طور نمونہ کے عرض کریں گے۔

اِس سلسلے میں سب سے پہلے ہم حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحبؒ ہی کی ایک اصولی تحریر عرض کردیے ہیں، جس میں حضرتؒ نے خود ہی تحریر فرمایا ہے کہ کسی شخصیت کے عقیدے ومسلک کو معلوم کرنے کے قابلِ اعتماد طریقے کیا ہوسکتے ہیں۔

کسی شخصیت کے عقائد اور افکار ونظریات معلوم کرنے کا طریقہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب سے کسی سوال کرنے والے نے یہ سوال کیا کہ حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو فرقۂ ضالہ اور مرجئہ میں شمار کیا ہے، اس کے متعلق کیا تحقیق ہے؟

حضرت اقدس نے اس کا تفصیلی جواب تحریر فرمایا ہے؛ لیکن اصل جواب سے قبل اُصولی انداز میں یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ:

> ”کسی شخص کے خیالات جاننے کی صورتیں اور اس کے
>
> عندیات وعقائد معلوم کرنے، معلوم ہونے کے دو ہی ذریعے ہیں:

ایک: اُس کی تصانیف۔ دوسرے: اُس کے اَتباع۔

تصانیف تو اِس وجہ سے کہ مصنف اُس میں اپنے مافی الضمیر اور عندیّات کو ذکر کرتا ہے، خدانخواستہ اگر مصنف دوسرے کے لیے آلۂ گفتار ہو تو بھی وہ اَثنائے کلام میں اپنے خیالات کا پَرچار کرتا رہتا ہے، اور جب کہ مصنف خود مستقل ہو، کسی کا پابند نہ ہو تو پھر تو وہ اُس میں کوئی کسر ہی نہیں اُٹھا رکھتا۔

اور متّبعین اِس وجہ سے کہ وہ اُن ہی اعمال وکردار کو اَپنائیں گے جو اُن کا رہبر کرتا رہا، اور اُسی طریقہ پر گامزن ہوں گے جس پر اُن کا رہنما چلاتا رہا۔" (نوادر الحدیث، مکاتیب علمیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ، مرتبہ محمد زید ص: ۵۸۵)

حضرت شیخ کے بیان کردہ ضابطے کے مطابق کسی شخص کے عقائد وخیالات کا پہلا اطمینان بخش طریقہ یہ ہے کہ اُس کی تحریرات وتصانیف کو دیکھا جائے، دوسرے اس کے پیروکار ومتبعین اور اس کے تلامذہ ومریدین کو دیکھ لیا جائے کہ وہ کس مسلک ومنہج پر گامزن ہیں، الحمد للہ! حضرت کے تلامذہ ومریدین مختلف ممالک: افریقہ، برطانیہ قطر وغیرہ میں اور انڈیا کے مختلف صوبوں: گجرات، بہار، یوپی وغیرہ میں ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں، جنہوں نے باقاعدہ طور پر حضرت کی شاگردی اختیار کی، جو اِس وقت دین کی بڑی بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں، کوئی اپنے وقت کا شیخ الحدیث اور شارحِ حدیث ہے، کوئی فقیہِ وقت اور مفتیٔ اعظم ہے، کوئی مصلحِ جلیل اور مبلّغِ کبیر ہے، کوئی تصنیفی وتالیفی اور تحقیقی کام میں لگا ہوا ہے، حضرتؒ کے ملک وبیرونِ ملک میں پھیلے ہوئے تلامذہ اور مریدین کو دیکھ لیا

جائے کہ یہ سب اپنے اکابر و اسلاف کے نقشِ قدم اور اُن کے مشرب پر ہیں یا نہیں؟ اور عقیدے و مسلک کے لحاظ سے وہ کیا ہیں؟ سلفی، غیر مقلّد، یا کسی امام کے مقلد ہیں؟ حنفی و ماتریدی ہیں یا کچھ اور؟

حضرت شیخؒ کے بیان کردہ ضابطہ کے مطابق حضرتؒ کے تلامذہ کو دیکھ کر بھی حضرت شیخؒ کے عقیدہ و مسلک کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، واللہ اعلم۔

چند مسائل کی تحقیق

ذیل میں ہم چند ایسے مسائل کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن میں سلفیوں، غیر مقلّدوں اور حنفیوں کا اختلاف معروف و مشہور ہے؛ اِسی نوع کے متعدد مسائل کے متعلّق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ سے بھی مختلف مواقع میں سوالات کیے گئے، جن کے آپ نے تفصیلی جوابات تحریر فرمائے، اُن جوابات سے حضرت شیخؒ کے مسلک و عقیدہ اور آپ کی فکر و نظر کا اچھی طرح اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اور ہر شخص بہ آسانی فیصلہ کر سکتا ہے کہ عقیدہ و مسلک کے اعتبار سے حضرت کیا تھے؟

واضح رہے کہ کسی بھی شخصیت کے تعلق سے کسی بھی مسئلے میں اُن کے فرمائے ہوئے ارشادات و ملفوظات اور تقریروں کی وہ اہمیت نہیں ہوتی، جو خود اُن کے کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریرات و تالیفات کی ہوتی ہے، کیوں کہ ارشادات و ملفوظات اور درسی تقاریر میں تو احتمالات ہوتے ہیں کہ طرزِ تعبیر کے بدلنے سے یا ایجاز و اختصار کی وجہ سے کسی موقع پر مافی الضمیر کی ادائیگی پورے طور پر نہ ہو سکی ہو، سیاق و سباق اور طبعی احوال بھی اِس میں مؤثر ہو سکتے ہیں، اور یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ سامعین و مخاطبین اپنے شیخ کی تقریر پورے طور پر اخذ و ضبط نہ کر سکے ہوں، یا سننے اور سمجھنے میں کوتاہی ہو گئی ہو، یا نقل کرنے اور تعبیر میں

پوری بات نہ آسکی ہو، چوں کہ ملفوظات اور درسی تقاریر میں یہ سارے احتمالات ہوتے ہیں، اس لیے علماءِ محققین کا فیصلہ یہی ہے کہ کسی بھی محقق و مصنف کے ارشادات و تقاریر کا وہ درجہ نہیں ہے جو اُن کی تصانیف اور لکھے ہوئے جوابات کا ہوتا ہے، کیوں کہ تصنیفات اور فتویٰ نویسی اور علمی مقالات و مکتوبات میں لکھنے سے پہلے محقق خوب چھان بین کر کے پہلے مواد جمع کرتا ہے، بہت غور و خوض کے ساتھ تنقیح کرتا ہے، اپنے ذہن میں ترتیب دیتا ہے، پھر لکھنا شروع کرتا ہے، لکھنے کے بعد بھی نظرِ اول و ثانی کرتا ہے، کافی غور و خوض کے بعد اس میں حذف و اضافہ بھی کرتا ہے، اس لیے کسی بھی محقق و مصنف کی لکھی ہوئی چیز اس کے افکار و خیالات اور مسلک و عقیدہ کو سمجھنے کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے، جس کی بنا پر یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ کس مسلک و مشرَب سے تعلق رکھتا تھا، اس کے مقابلے میں مجلس میں فرمائی ہوئی باتوں کا یا درسی تقاریر کا بھی اِس درجہ اعتبار نہیں کیا جا سکتا، یعنی تقریر کو تحریر کا درجہ ہرگز نہیں دیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخؒ نے خود ہی تحریر فرمایا کہ کسی شخصیت کے عقیدہ و مسلک کو سمجھنے کے لیے اس کی تصانیف و تحریرات پر نظر ڈالو اور اُس کے شاگردوں کو دیکھ کر فیصلہ کرو۔

اَب اِس نوع کے چند اختلافی مسائل عرض کیے جاتے ہیں جن میں سلفیوں، حنفیوں نے باہم اختلاف کیا ہے اور حضرت شیخ سے ان کے متعلّق سوال کیا گیا تو حضرت نے کیا جواب تحریر فرمایا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے کے متعلق حضرت شیخؒ کی تحقیق

فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے کے متعلق علماء کا اختلاف معروف

ومشہور ہے، سلفی اور حضراتِ غیر مقلدین فرض نمازوں کے بعد دعا نہیں کرتے؛ بلکہ اس کو بدعت کہتے ہیں، علامہ ابنِ تیمیہ اور ابنِ قیمؒ نے بھی اس کو بدعت لکھا ہے، جب کہ فقہاءِ احناف اور علماءِ دیوبند اس کو مسنون ومندوب کہتے ہیں، اور اس کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔

اس کے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ سے سوال کیا گیا، حضرت شیخؒ نے اس کا تحقیقی جواب لکھا، علّامہ ابنِ تیمیہ وابنِ قیمؒ کی وہ عبارتیں بھی نقل فرمائیں جن میں علّامہ نے فرض نمازوں کے بعد دعا کو بدعت لکھا ہے۔

أما دعاء الإمام والمأمومين جميعاً عقيب الصلاة فهو بدعة، لم يكن في عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. (فتاوى ابن تيمية: ۲۲/۴۷)

وقال الحافظ ابن القيم تلميذ ابن تيمية في الهدى (۱/۶۷): أما الدعاء بعد السلام من الصلاة مستقبل القبلة أو المأمومين، فلم يكن ذلک من هديه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. (مختصراً)

لیکن حضرت شیخؒ نے اِن عبارتوں کے نقل کرنے کے بعد متعدد احادیث حافظ ابنِ حجرؒ کے حوالے سے نقل فرمائی ہیں، جن سے نمازوں کے بعد دعا کا ثبوت ہوتا ہے، اور پھر ابنِ تیمیہ اور ابن قیمؒ کے کلام پر نقد فرمایا ہے، اخیر میں حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں:

> ”جب یہ ثابت ہوگیا کہ صلواتِ مکتوبہ کے بعد دعا کرنا روایت سے ثابت ہے، اور دعا کا اندازِ مسنون یہ ہے کہ ہاتھ اُٹھا کر دعا کرے، چناں چہ بہت سی روایات میں رفعِ یدین عند الدعاء وارد ہوا ہے، اور بعض روایات میں مسح الوجہ بعد الدعاء بھی ابوداود وغیرہ میں وارد ہے، اِن تینوں کے ملانے سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ نمازوں کے بعد

ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے میں اور ہاتھ پھیرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور ابن السنیؒ کی ایک روایت میں تو رفعِ یدین بعد الصلاۃ وارد ہے۔''

جن لوگوں نے نمازوں کے بعد دعا کرنے کو بدعت کہہ دیا ہے اس کے متعلق حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں:

''اگر کوئی مداومت کو بدعت کہے تو شاید غلط نہ ہوگا، مگر یہ بدعت بھی اِسی قبیل سے ہوگی جیسے کہ تراویح بالجماعۃ بإمام واحد کے بارے میں حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا تھا: **نعمت البدعۃ ھذہ۔**

فرق مسئلۂ تراویح و مسئلۂ دعا میں یہ ہے کہ تراویح اصلاً، حقیقتاً بھی نماز و جماعت دونوں کے اعتبار سے فعلِ نبی سے ثابت ہے، اور دعا بہ ہیئتِ کذائیہ استدلالی حیثیت سے ثابت ہے، واللہ اُعلم۔

ہمارے اسلاف: قطب الارشاد حضرت گنگوہی و حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی و فخر المحدثین حضرت اقدس سہارنپوری قدّس اللہ اسرارھم نے جو کچھ عمل فرمایا ہے وہ بناءً علی التعامل ہے، اور امّت کا تعامل اِسی پر ہے۔ **ولا تجتمع أمتي علی الضلالۃ۔''**

(نوادر الفقہ/ ۷۴ تا ۷۹، مختصراً)

حضرت شیخؒ کی فکر و نظر اور عقیدہ و مسلک کو سمجھنے کے لیے حضرت اقدسؒ کی مذکورۂ بالا تحریر بھی کافی ہو سکتی ہے، جس میں سلفی مسلک اور ابنِ تیمیہ و ابنِ قیمؒ کی تردید کرتے ہوئے دلائل کی روشنی میں حنفی مسلک کی تائید فرمائی ہے۔ نیز حضرت گنگوہی اور حضرت تھانویؒ کو اپنے اکابر و اسلاف میں شمار کیا ہے۔

(۲) عورتیں نماز میں مَردوں کی طرح بیٹھیں یا تورّک کریں؟

یہ مسئلہ بھی بہت معروف ومشہور ہے، اہلِ حدیث وحضراتِ غیر مقلدین اِس بات پر مُصر ہیں کہ نماز میں قعدے کی حالت میں عورتوں کو مَردوں کی طرح بیٹھنا چاہیے۔ احناف عورتوں اور مَردوں کے بیٹھنے میں فرق کے قائل ہیں، یعنی عورت کے لیے بجائے افتراش کے تورّک کو افضل کہتے ہیں، لیکن دوسرے حضرات اِس پر سخت تنقید اور نکیر کرتے ہیں؛ حضرت شیخؒ سے اِس کے متعلّق سوال کیا گیا، آپؒ نے احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں محدثانہ انداز میں اس کا جواب تحریر فرمایا، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

> ”رہ گیا یہ کہ عورت ومَرد میں احناف تفریق کے کیوں قائل ہوئے؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ عورت، عورۃ ہے؛ لہٰذا اس کے احوال میں ہر قسم کے تستّر کا لحاظ رکھا جائے گا، اور افتراش کے بہ نسبت تورّک اقرب الی الستر ہے، اور یہ قاعدہ کسی حنفی کا خانہ زاد نہیں ہے؛ بلکہ ذاتِ اقدس رُوحی فداہ ﷺ کے ارشادات وفرمودات سے ماخوذ ہے......“

اس کے بعد حنفی مسلک کی تائید میں حضرت شیخؒ نے مندرجۂ ذیل روایتیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) عن علي رضي الله عنه قال: إذا سجدت المرأة فلتحتفز ولتضم فخذيها. (مصنف ابن أبي شيبة: ۱/ ۲۷۰)

(۲) عن ابن عباس رضي الله عنه أنه سئل عن صلاة المرأة، قال: تجتمع وتحتفز. (مصنف ابن أبي شيبة: ۱/ ۲۷۰)

(۳) عن ابن عمر رضي الله عنه أنه سئل: كيف كان النساء يصلّين على عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم؟ قال: كنّ يتربعن ثم أمرهنّ أن يحتفزْن. أي: تضممن من أعضائهنّ بأن يتوركْن.

(مسند الإمام أبي حنيفة بروايه الحصكفي، السعاية: ۲/۲۳۵)

یہ اجتماع اور فخذین کا ملانا تورّک کی صورت میں زیادہ ہوگا، بہ نسبت صورتِ افتراش کے۔

(نوادر الفقہ/۶۱، ۶۲، فتاویٰ شیخ الحدیث مولانا محمد یونسؒ)

اِس پوری تحریر اور زورِ بیان سے اندازہ لگانا چاہیے کہ حضرت شیخؒ نے سلفیوں اور غیر مقلدین کے خلاف حنفی مسلک کی کتنی قوت سے تائید فرمائی ہے۔

(۳) تنعیم اور مسجدِ عائشہؓ سے عمرہ کا احرام باندھنا مشروع ہے یا بدعت؟

اِسی نوع کے معروف مسائل میں سے جن میں سلفی اور غیر مقلّدین بہت شور مچاتے اور احناف پر اعتراض کرتے ہیں، ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ حاجی کا حج سے فراغت کے بعد مزید عمرہ کرنے کے لیے تنعیم (مسجدِ عائشہؓ) جا کر عمرہ کا احرام باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

حضراتِ احناف اس کو نہ صرف جائز؛ بلکہ افضل اور باعثِ اجر و ثواب سمجھتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

سلفی اور حضراتِ غیر مقلّدین اِس پر تنقید کرتے اور سخت اعتراض کرتے ہیں،

اور حضرت عائشہؓ کے عمل کو عذر پر محمول کرتے ہیں۔ اِسی مسلک کی ترجمانی کرنے والوں میں سے بعض لوگوں کو حدودِ حرم میں- حنفی مسلک کے خلاف تقریر کرتے ہوئے اور تمسخر کرتے ہوئے- یہاں تک کہتے ہوئے سنا گیا کہ یہ ۲/ریال کا عمرہ جائز نہیں کہ مکّہ سے مسجدِ عائشہ جا کر عمرہ کا احرام باندھ لیا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ سے اِس کے متعلّق سوال کیا گیا کہ: اہلِ حدیث تنعیم کے عمرہ کو (یعنی مسجدِ عائشہ سے عمرہ کے احرام باندھنے کو) بدعت کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: حضرت عائشہؓ کا عمرہ تو مجبوری کا تھا؛ ورنہ کسی دوسرے سے مکہ سے تنعیم عمرہ کا احرام باندھنے کے لیے جانا ثابت نہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا:

> ”حضراتِ محدّثین: امام بخاری وامام ترمذیؒ وغیرہما نے مستقل عمرۂ تنعیم کا ترجمہ منعقد فرمایا ہے اور امام دارمیؒ نے (دارمی: ۲۳/۷) **باب الميقات في العمرة** میں حضرت محرش کعبی رضی اللہ عنہ کی روایت عمرۂ جعرانہ والی اور حضرت عائشہؓ کی روایت عمرۂ تنعیم والی ذکر فرمائی ہے، یہ سب اِس بات کی مؤیّد ہیں کہ عمرۂ تنعیم میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور یہ خیال کرنا کہ یہ باہر سے آنے والوں کے لیے میقات ہے؛ بے دلیل ہے۔
>
> اگر عمرۂ تنعیم بدعت ہوتا تو ائمۂ حدیث اِس کا باب کیوں منعقد کرتے؟ اور یہ کہنا کہ حضرت عائشہؓ نے عذر کی بنا پر کیا تھا؛ صحیح ہے، لیکن حضرت عائشہؓ تو بعد میں بھی جب حج کرتی تھیں، تو حج

کے بعد مکہ سے باہر جاتی تھیں، اور احرام باندھ کر آ کر عمرہ کرتی تھیں؛ چنانچہ موطاء میں حضرت عائشہؓ کی باندی مَرجانہ سے روایت ہے:

كانت عائشة تعتمر بعد الحج من مكة في ذي الحجة، ثم تركت بعد ذلك فكانت تخرج قبل هلال المحرّم حتى تأتي الجحفة فتقيم بها حتى ترى الهلال فإذا رأت الهلال أهلّت بعمرة. (موطأ، أوجز المسالك: ۳/۳۶۳)

حضرت عائشہؓ کو اگر عذر تھا تو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جب حج کیا تھا اُس وقت تھا، ہمیشہ نہیں تھا، بعد میں حضرت عائشہؓ کا مکّہ سے نکل کر عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ آ کر عمرہ کرنا جواز کی دلیل ہے۔ **وكفى بهم قدوة.**

حافظ ابنِ حجرؒ (فتح الباری میں) فرماتے ہیں: **وبعد أن فعلته عائشة بأمره دلّ على مشروعيته.** (فتح الباري: ۴/۳۵۵)

(غیر مقلدین کو الزامی جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں) حضرت عائشہؓ نے - آپ کے بقول - تنعیم سے عمرہ عذر کی وجہ سے کیا تھا گویا بلا عذر جائز نہیں، اس لیے کہ بدعت ہے، تو اگر بدعت ہوتا تو حضرت عائشہؓ بعد میں بلا عذر عمرۂ تنعیم کیوں کرتیں؟ (نوادر الفقہ/ ۹۸، ۹۹)

حضرت شیخؒ کے اِس جواب سے بھی بہ آسانی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ کیا آپ غیر مقلد تھے اور سلفی ذہن رکھتے تھے؟ یا پورے انشراح کے ساتھ حنفی مسلک کی وکالت اور تائید فرماتے تھے؟

(۴) ایک جانور کی قربانی سارے گھر والوں کی طرف سے کافی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

یہ مسئلہ بھی معروف و مشہور ہے کہ ایک جانور مثلاً: ایک بکری کی قربانی پورے گھر والوں کی طرف سے کافی ہو جائے گی یا نہیں؟

حضراتِ غیر مقلدین پوری قوت سے اِس بات کو کہتے ہیں کہ: گھر میں کتنے ہی افراد صاحبِ نصاب ہوں جن پر قربانی کرنا واجب ہو؛ لیکن ایک بکری کر لینا سب گھر والوں کی طرف سے کافی ہو جائے گا، رسول اللہ ﷺ نے تو ایک جانور میں پوری امّت کو شریک فرمایا تھا۔

اِس سلسلے میں حضرت شیخؒ سے سوال کیا گیا، اس کے جواب میں جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا اس کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

> ”جمہور کے یہاں ایک بکری ایک ہی آدمی کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے؛ بلکہ بندے کے علم میں کسی کا اختلاف نہیں، ہاں! ابل و بقر (اونٹ اور گائے) میں اختلاف ہے۔ ایک خاص بات قابلِ توجہ یہ ہے کہ اگر ایک جانور مطلقاً سارے اہلِ بیت کے لیے قربانی کی ادائیگی میں کافی ہوتا تو ”فاشترکنا في البعير سبعة“ وغیرہ صحابہ کا فرمانا بظاہر بے سود ہے، اس لیے کہ پھر تو ایک خاص عدد کی قید بے کار ہے۔“ (نوادر الفقہ/۷۸)

حضرت شیخؒ نے اپنے جواب میں اُن حدیثوں کو بھی نقل فرمایا ہے جس سے لوگوں

کو غلط فہمی اور یہ شبہ ہوگا کہ ایک جانور کی قربانی پورے گھر والوں کی طرف سے کافی ہو سکتی ہے، اُس کے بعد غلط فہمی دور کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:

> ”اِس سے مراد تو ثواب میں شرکت ہے، نہ یہ کہ قربانی کا وجوب بھی اس سے ساقط ہو جائے گا۔“

اور اِس سلسلے میں حضرت شیخؒ نے مندرجۂ ذیل شراحِ حدیث کا کلام نقل فرمایا ہے:

> ”ومحمل الحديث هو التشريک في الثواب، وهكذا هو محمل الحديث الذي أخرجه مسلم (۲/ ۱۵٦) عن عائشة رضي الله عنها: ... اللّٰهم تقبّل من محمد وآل محمد ومن أمة محمد، ثم ضحى به.
>
> قال الطيبي رحمه الله: المراد المشاركة في الثواب مع الأمة لأن الغنم الواحد لا يكفي عن اثنين فصاعداً.
>
> قال النووي: حمل جماعة الحديثَ المذكور على الاشتراک في الثواب.
>
> وقال النووي في شرح المهذّب: إن الشاة الواحدة لا تجزي إلا عن واحد، وهذا هو الذي يقوله أصحابنا... وأما نحن فنحمل الحديث على التشريک في الثواب، وقد حمله عليه جماعة من أصحاب الشافعي كالشيخ إبراهيم المروزي وصاحب العدة والعلامة الطيبي وغيرهم، ولا دافع لهذا المعنى.“

اِس مضمون کی بعض حدیثوں کے متعلق شبہ ہوتا ہے کہ ایک جانور کی قربانی پورے گھر والوں کے لیے کافی ہے، اس کے متعلق حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ’’اِن سب سے مراد تشریک فی الثواب ہے، اور مقصد یہ ہے کہ اگر ایک آدمی اپنی قربانی کرے اور اپنے اہل وعیال کو شریک کرے تو قربانی تو ایک ہی کی طرف سے ہوگی، البتہ ثواب میں سارے شریک ہوجائیں گے، اِس صورت کا احناف بھی انکار نہیں کرتے۔‘‘ (نوادر الفقہ/ ۷۷)

حضرتؒ کے اِس جواب سے اچھی طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ سلفیت وغیر مقلدیت کی طرف مائل تھے یا پورے انشراحِ قلبی کے ساتھ حنفیت کے اتباع اور اُسی کی حمایت میں دلائل ذکر فرمائے تھے۔

(۵) بھینس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

اِسی نوع کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ حضراتِ غیر مقلدین بھینس کی قربانی کا انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں اِس کا کوئی ذکر نہیں ہے، لہٰذا گائے کی قربانی تو جائز ہے؛ لیکن بھینس کی قربانی جائز نہیں۔

جب کہ علماءِ احناف؛ بلکہ جمہور علماء بھینس کی قربانی کو جائز سمجھتے ہیں، اِس مسئلے کے متعلق بھی حضرت شیخؒ نے جمہور علماء اور حنفی مسلک کے مطابق جو کچھ تحریر فرمایا وہ درجِ ذیل ہے:

’’جاموس بقر ہی کی ایک نوع ہے، ہندی میں اُسے بھینس کہتے ہیں اور فارسی میں گاؤمیش کہتے ہیں اور عربی میں جاموس، علامہ ابوالولید بن رشد الحفیدؒ بدایۃ المجتہد (۱/ ۲۵۳) میں لکھتے ہیں: **أجمع العلماء على جواز الضحايا من جميع بهيمة الأنعام**؛ اور بھینس کا بہائمِ اَنعام سے ہونا اظہر من الشّمس ہے، تو قربانی گاؤمیش (یعنی بھینس کی قربانی) کے جواز کے قائل صرف حنفیہ ہی نہیں ہیں؛ بلکہ حضراتِ شافعیہ بھی ہیں، بلکہ جمیع امّت کا یہی مذہب ہے، **كما علم ذلك من كلام ابن رشد، وقال ابن المنذر فيما حكاه صاحب المغني** (۲/ ۵۹۴): **والجواميس صنف من البقر بالإجماع.** (نوادر الفقہ/ ۷۵)

(٦) مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دو ہاتھ سے؟

غیر مقلدین ایک ہاتھ سے مصافحہ پر اصرار کرتے ہیں، ایک صاحب نے حضرت شیخؒ سے سوال کیا کہ ایک اہلِ حدیث کا دعویٰ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ شریعت کے اندر نہیں ہے، اگر ہے، تو بالکل صاف حدیث پیش کیجیے، جس میں یہ لفظ ہو کہ حضور ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا ہے۔

حضرت شیخؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا:

’’اہلِ حدیث حضرات کا یہ کہنا کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت نہیں، یہ غلط ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث بخاری شریف (ص ۹۲۶) میں: **علّمني النبيُّ ﷺ وكفّي بين كفّيه التشهّدَ** وارد ہے، حضور اقدس ﷺ کی طرف سے دونوں ہاتھ ہیں، تو

ظاہر ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دونوں ہی ہاتھ ہوں گے، مگر اصلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کو بتلانا ہے، اس لیے "كفّي بين كفّيه" ذکر کیا، اور اگر بالفرض مان لیں تو فعلِ نبی حجۃ الیدین ہے، اور فعلِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حجۃ الید ہے اور جب فعلِ نبی اور فعلِ صحابی میں تعارض ہو تو فعلِ نبی مقدم ہوگا۔"

حضرت امام بخاریؒ نے "باب الأخذ باليدين" کا ترجمہ منعقد فرما کر مصافحہ کا مسنون طریقہ بیان کیا ہے اور آگے لکھا ہے: وصافح حمادُ بن زيدٍ ابنَ المبارك بيديه (یعنی حماد بن زید نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا) اور پھر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیثِ بالا موصولاً ذکر فرمائی ہے، معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ مصافحہ کا مسنون طریقہ بتلانا چاہتے ہیں، صرف "اخذ بالید" کا احتمال ذکر کرنا مقصود نہیں ہے، اور اہلِ حدیث کا ایک ہاتھ کا دعویٰ بھی تو کسی صریح حدیث سے ثابت ہونے کی ضرورت ہے، اوّلاً تو اُن کے ذمّے یہ ضروری ہے کہ "بِیَدَین" (یعنی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ) ممنوع ہے ثابت کریں اور بغیر اِن دونوں امروں کے اُن کا یہ مدّعا ثابت نہ ہوگا؛ کیوں کہ بحث یہ ہے کہ "بِیَدٍ" ہے یا "بِیَدَین" (یعنی مصافحہ ایک ہاتھ سے ہے یا دونوں ہاتھ سے) حنفیہ فرماتے ہیں کہ "بِیَدَین" (یعنی دونوں ہاتھوں سے) افضل ہے، اور اہلِ حدیث کا یہ اصرار ہے کہ "بیدٍ واحدة" ہی ہے، اور یہ دونوں امور بالا کے بغیر

> کیسے ثابت ہوگا۔ ویسے نفسِ مصافحہ ”بیدٍ واحدۃٍ“ اور ”بِیدَیْن“ (یعنی ایک ہاتھ سے اور دونوں ہاتھ سے) دونوں طرح مباح ہے، لإطلاق الأحادیث، واللہ اعلم۔ (نوادر الفقہ/ ۱۰۴)

مذکورہ سوال وجواب میں خود ہی غور کرلینا چاہیے کہ حضرت شیخؒ سلفیوں اور غیر مقلدوں کی حمایت کررہے ہیں یا پُرزور انداز میں اُن کی تردید فرما کر احناف کی پوری طرح حمایت فرمارہے ہیں۔

حضرت شیخؒ کے ملفوظات میں ہے:

”فرمایا جب کوئی حنفی آتا ہے تو میں ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتا ہوں اور کوئی اہلِ حدیث آتا ہے تو دو ہاتھ سے کرتا ہوں، اہلِ حدیث میں سے ایک شخص آئے، میں نے انسے دو ہاتھ سے مصافحہ کیا، انہوں نے ایک ہاتھ سے کیا، فوراً میں نے یہ اثرُ پڑھا (جو بخاری شریف میں موجود چ) ”صافح حماد ابن زید ابن مبارک بکلتی یدیہ۔“ تو فوراً انہوں نے دوسرا ہاتھ لگایا اور کہا: ھذہ فائدۃ استفدناھا منکم۔“ یہ ہیں عرب ،ان میں صدق بہت ہے، ہندوستان والوں کی طرح نہیں۔“

(ملفوظات حضرت مولانا محمد یونس صاحب، مرتبہ مولانا محمد جابر صاحب پالنپوری، ص ۲۱۸، مطبوعہ گجرات)

حضرت شیخؒ کا تصوف سے گہرا ربط

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب محدّث ہونے کے ساتھ صوفی اور شیخِ طریقت بھی تھے، گروہِ اولیاء وصوفیاء سے بڑی عقیدت ومحبت رکھتے تھے، اور اپنے اکابر و مشائخ: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت شاہ وصی اللہ، حضرت مولانا اسعد اللہ، شیخ

الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ سے غایت درجہ محبت و عظمت کا تعلق رکھتے اور اُن سے مربوط تھے، اور اُن کو اپنے اسلاف و اکابر میں شمار کرتے تھے، اس کا اندازہ ایک مکتوب کے چند جملوں سے لگایئے، تحریر فرماتے ہیں:

> ہمارے اسلاف : قطب الارشاد حضرت گنگوہی و حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی و فخر المحدثین حضرت اقدس سہارنپوری قدّس اللہ اسرارھم نے جو کچھ عمل فرمایا ہے وہ بناءً علی التعامل ہے، اور امّت کا تعامل اِسی پر ہے۔ ولا تجتمع أمتي علی الضلالۃ.

(نوادر الفقہ / ۷ ۴ تا ۹ ۴، مختصراً)

(۷) اجتماعی ذکر اور ذکر بارہ تسبیحات بدعت ہے یا نہیں؟

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب اپنے اکابر و مشائخ کے تجویز کردہ اذکار و اوراد اور دیگر معمولات کے بھی بڑے پابند تھے، خود بھی ذکرِ جہری ضرب کے ساتھ کرتے تھے، اور آپ کے حجرہ و خانقاہ میں ذکر کی مجلس روزانہ بعد فجر اور رمضان المبارک میں بعد ظہر لگتی تھی، جس میں اجتماعی طور پر ذکرِ جہری اہتمام کے ساتھ ہوتا تھا، آپ اپنے مریدین و متوسلین کو بھی ذکر بارہ تسبیحات کی تلقین فرماتے تھے۔

بعض اصحابِ اہلِ علم اور آپ کے بعض تلامذہ نے حضرت سے سوال کیا کہ اِس نوعیت سے اجتماعی ذکر، نیز اِس طرح ذکرِ جہری اور مفرد اسمِ ذاتِ پاک یعنی ''اللہ، اللہ'' کا ذکر تو حدیثوں سے ثابت نہیں، یہ بارہ تسبیحات کا ذکر کیوں کرایا جاتا ہے؟ بہت سے سلفی اور غیر مقلّدین حضرات اس کو ماثور نہ ہونے کی وجہ سے بدعت کہتے ہیں، شیخ الاسلام علّامہ

ابنِ تیمیہؒ نے تفصیلی دلائل کے ساتھ مفرد ذکر کو بدعت لکھا ہے، جیسا کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے نقل فرمایا ہے: **فإنه (أي العلامة ابن تیمیة) قد أطنب إطنابا بلیغا في إبطال مشروعیة هذا الذکر.** (فتح الملھم: کتاب الإیمان: ۲/ ۱۷۹، باب: ۶۷)

اِس سلسلے میں احقر راقم الحروف نے بھی حضرت اقدسؒ کی خدمت میں اپنے کچھ شبہات اور سوالات پیش کیے تھے، حضرتِ والا نے اس کا جو جواب تحریر فرمایا ہے، وہ بڑی حد تک اطمینان بخش ہے، جس سے پوری حقیقت واضح ہوجاتی ہے، اس کے بعد حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ کے ایک مختصر سے ملفوظ سے سارے ہی اشکالات ختم ہوجاتے ہیں اور پوری تسلی ہوجاتی ہے، حضرت تھانویؒ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ: اِس نوع کے اذکار واوراد، بارہ تسبیحات وغیرہ وقتی وعارضی بمنزلۂ علاج کے ہیں، ایک مدت تک کرنے اور قلب میں یکسوئی کی کیفیت پیدا ہوجانے اور ذکر راسخ ہوجانے کے بعد سب کو ترک کرکے صرف ماثور ذکر: تہلیل یعنی لا إله إلا الله پر اکتفاء کی جائے، واللہ اعلم۔

اَب آگے حضرت شیخ کا پورا مکتوب ملاحظہ ہو جس سے حضرت کے دینی ذوق اور مسلک ومشرب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اور اِس کا بھی کہ اس طرح کے علوم ومعارف میں بھی آپ شیخ الاسلام علّامہ ابنِ تیمیہ کے نہیں؛ بلکہ اپنے اکابر ومشائخ کے نقشِ قدم پر تھے، اور اخیر عمر تک، اِسی پر قائم رہے۔

اذکار واشغال کے متعلق حضرت شیخ کا اہم مکتوب:

حضراتِ صوفیاء کے تجویز کردہ اذکار واشغال کے بدعت ہونے کا شبہ اور اس کا جواب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

’’حضراتِ صوفیاء نے ذکر کی جو صورتیں اور تعداد وغیرہ ذکر کی ہیں، یہ امراضِ قلبی کے اِزالہ اور تعلق مع اللہ پیدا کرنے کے ذرائع ہیں اور صدیوں کے مجرّبات ہیں، اگر کسی کو اِس کے بغیر کسی اور صورت سے یا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ حالت حاصل ہو جائے، تو اُسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، اصل تو اعمالِ مسنونہ ہیں، جیسے: مریضِ جسمانی کا علاج دواؤں سے کیا جاتا ہے اور مُضرّ ات سے بچایا جاتا ہے، لیکن اصل چیز جس سے بدن کو قوت حاصل ہوگی وہ مقویات اور اَغذیہ ہیں، اور حضراتِ صوفیہ نے ذکر کی جو خاص صورتیں تجویز کی ہیں، وہ صرف اللہ تعالیٰ کا دھیان دِل میں جمانے کے لیے ہے؛ پہلے ’’لا إله إلا الله‘‘ اور پھر ’’إلا الله‘‘ اور پھر ’’الله، الله‘‘ کا ذکر کراتے ہیں۔ اول تو مصرّح ہے: أفضل الذكر لا إله إلا الله، اور ثالث بحذف حرف الندا یا بحذف المبتدا ہے، اور ثانی صرف ایسے ہے جیسے بچے کو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھاتے ہیں، تو پہلے بے-سین زیر: بِس، میم-لام زیر: مِل، لام الف زبر: لَا، ہا زیر: ہِ؛ رٹاتے ہیں، پھر بسم اللہ کہلواتے ہیں۔ اصل میں مرکب میں ذہن پر بوجھ کم پڑتا ہے، اس لیے بسیط سے مرکب کی طرف چلتے ہیں، اور ذکر میں بظاہر مرکب سے بسیط کی طرف چلتے ہیں، پہلے نفی، اِثبات کراتے ہیں؛ تاکہ توحید کا مفہوم دِل میں اُترے، پھر ہلکا کر کے صرف اِثبات کو رکھتے ہیں، اور صرف ’’اللہ، اللہ‘‘ کا ذکرِ بسیط کراتے ہیں کہ ذاتِ حق بسیط ہے، تو مفہومِ توحید کے استحضار کے ساتھ۔ جس کی طرف پورے کلمے سے

دِل کو متوجہ کیا گیا تھا- ذاتِ بسیط کے دھیان کو اسمِ بسیط سے دِل میں جماتے ہیں، خدا کرے یہ تمہارے لیے باعثِ سکون ثابت ہو، اِس وقت ذہن حاضر نہیں ہے، کیف ما اتفق جو آ گیا لکھ دیا۔

یہ تم نے صحیح لکھا ہے کہ منقول میں جو بات ہے وہ کسی چیز میں نہیں، رسولِ اکرم ﷺ محبوب ہیں، آپ کی ہر چیز محبوب کی ادا ہے، اور اداءِ محبوب؛ محبوب ہوتی ہے، لیکن اِس اَدا کو پوری طرح ادا کرنے کی ضرورت ہے، اور وہ بغیر تزکیۂ قلب کے ناممکن ہے، اس لیے اس کا تزکیہ کرنا اور اس کے ذرائع اختیار کرنا بھی ضروری ہوگا، اصل تو اعمالِ مسنونہ کو سمجھو اور کرو بھی، اور اُنہیں ہی کرنا ہے، لیکن تھوڑی دیر کے لیے بطور علاج کے حضراتِ صوفیہ کا مجربہ نسخہ بھی استعمال کرو، تاکہ طاقت کے ساتھ اعمالِ مسنونہ کی ادائیگی ہو۔

اجتماعی ذکر میں صورتِ اجتماعیہ مطلوب نہیں ہے؛ بلکہ اجتماع کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رغبت وشوق کا پیدا ہونا مقصود ہے، اور مزید یہ کہ بعض مشائخ ذکر کے وقت قلب مُرید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں؛ تاکہ طبیعت لگ جاوے، اور مُرشد کی معیت میں سب کا ایک ساتھ ذکر کرنا مُرشد کی توجہ کی تحصیل میں مُعین ہے، جیسے: مکتب کے حافظ سارے بچوں کو ایک ساتھ پڑھاتے ہیں اور سب پر نظر رکھتے ہیں؛ لیکن یہ چیزیں مقصود نہیں ہیں، اسی لیے اجتماع کے فوت ہونے کی صورت میں بھی سالکین تنہائی میں اپنے معمولات پورے کرتے ہیں۔

أخرج ابن ماجة (٢١) عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه قال: خرج رسول الله ﷺ ذات يومٍ من بعض حُجره، فدخل المسجدَ فإذا هو بحلقتين، إحداهما: يقرئون القرآن ويدعون، والأخرىٰ يتعلمون ويعلِّمون، فقال النبي ﷺ: كلٌّ على خيرٍ. وفي إسناده الإفريقيُّ، وهو ضعيف.

وأخرج مسلم وغيره عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: ما اجتمع قومٌ في بيتٍ من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم إلا نزلت عليهم السكينة، وغشيتُهم الرحمة، وحفّتهم الملائكة، وذكرهم فيمن عنده.

یہ حدیثیں اجتماعی ذکر کی فی الجملہ مؤید ہیں، حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی نکیر، ممکن ہے کسی خاص امر کی بنا پر ہو، مثلاً: وہ لوگ اس کو ضروری سمجھتے ہوں، واللہ اعلم۔

حدیث کی کتابوں کا مطالعہ اور عمل کا جذبہ بے حد مبارک ہے۔ اَللّٰھم آتنا منہ حظّاً وافراً وّ نصیباً تامًّا.

تمہارے خواب مبارک ہیں، پانی میں تیرنا اور پار ہوجانا طالب کی ترقی اور کامیابی پر دلالت کرتا ہے۔ اُوپر اُڑنا بھی عروج وترقی ہے۔ عصا سنت ہے، خواب میں لاٹھی ملنا مبارک ہے۔ میکائیل علیہ السلام کی لاٹھی ہونا برکت فی الرزق کی طرف اشارہ ہے۔ چھوٹے بچے کا خواب میں "إني عبد الله" کہنا بھی اچھا ہے، میرا گمان ہے کہ وہ تمہارا نفس ہے، مبارک ہو! اُس کا شیخ کی گود میں کھیلنا: یہ شیخ کی نگرانی وتربیت ہے، مراد تمہارے شیخ حضرت مولانا سید صدیق صاحب

باندوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا کسی کو بوسہ لینا آپ کی رضا ومحبت کی علامت ہے۔ (نوادر الفقہ: ۱۸۲، ۱۸۳)

لفظ (اللہ اللہ) ذکر مفرد کے متعلق

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ارشاد

حکیم الامت حضرت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

ابن تیمیہؒ نے اللہ اللہ ذکر کرنے کو بنا بر عدم نقل بدعت کہہ دیا ہے، لیکن میں اگر اس وقت ہوتا یہ وہ اس زمانہ میں ہوتے تو میں ان سے عرض کرتا اور ان شاء اللہ وہ تسلیم کرتے کہ:

''ایک شخص قرآن پاک حفظ کرتا اور ایک ہی لفظ کا بار بار اعادہ کرتا ہے مثلاً: ''إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ'' کو اس طرح یاد کرتا ہے ''إِذَا السَّمَاءُ انْ'' ''إِذَا السَّمَاءُ انْ'' کو سو مرتبہ کہا اور ''فَطَرَتْ فَطَرَتْ'' کو سو مرتبہ کہا، اور پھر ملا کر کہا تو میں ابن تیمیہؒ سے پوچھتا کہ یہ جائز ہے یا محض اس لئے کہ منقول نہیں، ناجائز ہے؟ ابن تیمیہؒ کے پاس سوائے تسلیمِ جواز کے کوئی جواب نہیں ہوتا، کیونکہ حقیقت اس کی صرف یہ ہے کہ مذکور کو حافظہ میں راسخ کرتا ہے، اب جس ہیئت سے ہو اور اگر وہ ہیئت منقول بھی نہ ہو، پس اسی طرح ذاکر کا مقصود قلب میں توجہ الی اللہ کو راسخ کرنا ہے، پس مقصود کو قلب میں راسخ کرنے کو کون منع کرسکتا ہے۔

(الاضافات الیومیہ ص ۱۳۴ ج ۲)

شارح مسلم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم شرح مسلم میں حدیث:

''لاتقوم الساعة على أحد يقول الله الله.''

(مسلم شریف عن أنس، حدیث: ۳۷۴، باب ذهاب الإيمان آخر الزمان)

کے تحت مفرد لفظ ''اللہ اللہ'' کے ذکر کو ثابت فرمایا ہے، اور علامہ ابن تیمیہؒ کے نقطۂ نظر کی اسی حدیث پاک سے تردید فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

قلت: وفي تكرير الإسم إشارة إلى مشروعية ذكر الله عز و جل باسمه المفرد، والرد على من زعم نفي كونه مشروعا ومحمودا، كالحافظ ابن تيمية في فتاواه فإنه قد أطنب إطنابا بليغا في إبطال مشروعية هذا الذكر، و كأنه رحمه الله تعالىٰ قد ذهل عن حديث الباب، فسبحان من لا ينام و لا ينسىٰ.

(فتح الملهم کتاب الإیمان ص: ۱۷۹، ج: ۲)

بعض کبارِ صوفیاء پر تنقید کی وجہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب گروہِ اولیاء وصوفیاء سے محبت وعظمت کا تعلق ضرور رکھتے تھے اور خود بھی اِس گروہ میں شامل تھے؛ لیکن اِس طبقے کی بھی اگر خلافِ شرع اور خلافِ حدیث کوئی بات آپ تک پہنچتی، آپ اس کو ہرگز تسلیم نہ کرتے، بلکہ اُس پر سخت نکیر فرماتے تھے، چناں چہ ابنِ عربی، مولانا رُومی وغیرہ کی بعض باتیں جو آپ تک پہنچیں اور آپ کی تحقیق کے مطابق وہ غلط تھیں، اُن پر سخت سے سخت تنقید فرمایا کرتے تھے، البتہ اِس سلسلے میں احقر کو حضرت کی کوئی تحریر نہیں ملی جس کو پیش کیا جاسکے۔

بعض کبارِ صوفیا مثلاً: پیرانِ پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ، حضرت اقدس اُن کے بہت معتقد تھے، اُنہوں نے اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں حضرت امام ابوحنیفہؒ پر سخت نقد کیا، اور اُن کو فرقۂ ضالہ مُرجئہ تک میں شمار کیا، لیکن حضرت شیخؒ نے اِس کو قبول نہیں کیا، اور اپنے ایک تفصیلی جواب میں اس پر سخت نقد کیا، حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں:

”امام صاحب کے اَتباع اور اُن کے پیرو کاروں کو دیکھ لیجیے، تو وہ بھی اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، چناں چہ ساری دنیا کے احناف بھی اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، اور اُن کی تالیفات میں بھی یہی ہے، اور ظاہر ہے کہ اِن موجودہ لوگوں نے اپنے اِن عقائد وخیالات کو اپنے اکابر ومقتدایان سے ہی لیا ہوگا، ثمّ وثمّ؛ تا آں کہ امام صاحب سے سلسلہ جاملا، اور تواترِ طبقہ سے امام اعظم (ابو حنیفہؒ) کا فرقۂ اہل السنۃ والجماعۃ سے ہونا واضح ہو جاتا ہے، کسی شخص کا امام صاحب یا اُن کے اَتباع کو فرقِ ضالہ میں لکھ دینا خود ایک دعوائے بے بنیاد اور بے حقیقت کلام بن جاتا ہے، خواہ کوئی بھی ہو، اس لیے کہ غلطی سے تو حضراتِ انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم کے علاوہ اور کوئی بھی معصوم نہیں ہے، لہٰذا غلطی کا امکان باقی ہے؛ بلکہ غلطیاں واقع ہوئی ہیں اور بڑوں بڑوں سے بھی۔

اس کے بعد سمجھیے کہ ہم نے پیرانِ پیر کو بزرگ اور شیخ جانا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُن سے غلطی نہیں ہوسکتی، لہٰذا اِس امر میں ہم اُن کے متبع نہیں ہیں، لیکن اِس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ پیرانِ پیر کا دامن ہی ہاتھ سے چھوٹ جائے، ایک آدھ بات میں اختلاف نہ اعتقاد ہی میں مخل ہے اور نہ ہی اتباع میں، یہ تو صرف انبیاء کی شان ہے کہ اُن کی ہر بات میں اطاعت کی جائے اور ہر امر پر اعتقاد کیا جائے۔“ (نوادر الحدیث: ۵۸۵و۵۸۹)

حضرتؒ کے افاداتِ درسِ بخاری میں ہے:

”غنیۃ الطالبین“ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی تالیف ہے، بعض

متأخرین نے اُن کی تالیف ہونے کا انکار فرمایا ہے؛ لیکن یہ انکار بے حقیقت اور غلط ہے، شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ اور شیخ الاسلام ابنِ قیم، حافظ ابنِ کثیر، حافظ ذہبی اور حافظ ابنِ حجر رحمہم اللہ نے ''غنیۃ الطالبین'' کو شیخِ موصوف کی تالیف میں شمار فرمایا ہے۔ ہاں! اِس میں بعض جگہ احناف پر رد بھی موجود ہے؛ لیکن اس سے مراد احناف کا مخصوص طبقہ ہے، سارے احناف مراد نہیں، اور بالفرض! سارے ہی احناف مراد ہوں، تو ہم شیخِ موصوف کو ولیٔ کامل اور قطبِ عالَم مانتے ہیں، لیکن معصوم نہیں مانتے عصمت تو خصیصۂ انبیاء علیہم السلام ہے۔''

(کتاب التوحید: افاداتِ درسِ بخاری/ ۵۵)

حضرت اقدسؒ کے مندرجۂ بالا مکتوب وارشاد سے چند باتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں، وہ یہ کہ آپ:

(۱) احناف اور اُن کے مقلدین و متبعین کو اہل السنۃ والجماعۃ میں شمار فرماتے تھے۔

(۲) اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کو تواترِ طبقہ کے ذریعہ حق پر ہونا اور اہل السنۃ والجماعۃ میں ہونا سمجھتے تھے۔

(۳) اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کی شان میں گمراہی کی نسبت کو آپ درست نہیں سمجھتے تھے۔ اور اِس سلسلے میں سید الطائفہ سیدنا عبد القادر جیلانی نے بھی اگر امام صاحب کی شان میں نامناسب بات لکھ دی، تو آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا، بلکہ اُس کی تردید اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تائید فرمائی۔

(۴) حضرت کے اِس مکتوب سے صوفیاء ومشائخ کی اتباع کے حدود وقیود بھی

معلوم ہوگئے کہ: رسولِ پاک ﷺ کی ذاتِ اقدس کے سوا تمام بزرگوں سے بھی غلطیاں ہوسکتی ہیں، اس لیے آنکھیں بند کرکے ہر ایک کا اتباع نہیں کیا جاسکتا؛ اصل چیز کتاب وسنت وشریعت ہے، اور یہی معیارِ اتباع ہے۔

(۸) ''فضائلِ اعمال'' کتاب پر احادیثِ ضعیفہ ہونے کا اعتراض اور اس کا جواب

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی کتاب ''فضائلِ اعمال'' معروف ومشہور ہے، بہت سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ اِس کتاب میں ذکر کردہ حدیثیں ضعیف ہیں متعدد حلقوں کی طرف سے، خصوصاً سلفیوں اور غیر مقلدین کی طرف سے یہ آواز شدت کے ساتھ اُٹھائی جاتی ہے اور یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب تو احادیثِ ضعیفہ کا مجموعہ ہے، اس لیے ناقابلِ اعتبار ہے، چناں چہ ''فضائلِ اعمال'' نامی کتاب کے خلاف سلفیوں کی طرف سے بعض مقالات اور کتابیں بھی لکھی گئیں، لوگوں کے اِس پروپیگنڈے سے متأثر ہوکر بہت سے اپنے لوگ بھی شکوک وشبہات میں مبتلا ہوگئے، حالاں کہ واقعہ ایسا نہیں ہے، فضائلِ اعمال کی اکثر حدیثیں وہ ہیں جو صحاحِ ستہ، الترغیب والترهیب، بیہقی اور مشکوٰۃ المصابیح سے ماخوذ ہیں، ہر جگہ حدیث کے ساتھ کتاب کا حوالہ بھی درج ہے، خوبی کی بات یہ ہے کہ اِن احادیث کی تشریح اور ان سے متعلقہ جو فوائد بیان کیے گئے ہیں، وہ بھی اکثر احادیث کے حوالے سے اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں ہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اپنے وقت کے بڑے درجے کے محدث تھے، انہوں نے جو کچھ لکھا احادیثِ مبارکہ کے حوالے سے پوری تحقیق کے بعد لکھا ہے، ایسا بہت ممکن ہے

کہ ایک حدیثِ پاک ایک محدّث کی نگاہ میں ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہو، اور دوسرے محدث و محقق کی تحقیق کے مطابق صحیح اور قابلِ اعتبار ہو، اِس میں اشکال کی کون سی بات ہے؟ پھر چند احادیث کی بنا پر یا کتاب میں مندرج بعض مضامین کی وجہ سے پوری کتاب کو تو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کے نزدیک اِس کتاب کی بڑی اہمیت تھی، آپ کی مجلس میں اس کی تعلیم ہوتی تھی، رمضان المبارک میں تو بعد عصر خاص طور پر اِسی کتاب کے پڑھے جانے کا معمول تھا، بعض اہلِ علم کی طرف سے آپ کے سامنے بھی یہ سوال پیش کیا گیا کہ اِس کتاب کی بعض حدیثیں ضعیف ہیں، فضائلِ ذکر کی بعض حدیثوں سے متعلق خاص طور پر یہ سوال کیا گیا، آپ نے اس کا تحقیقی جواب لکھا، اور اصولی طور پر آپ نے یہ بات تحریر فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ:

یہ کتاب اور اس میں مندرجہ حدیثیں فضائلِ اعمال سے تعلق رکھتی ہیں، اور فضائلِ اعمال میں احادیثِ ضعیفہ بھی معتبر ہوتی ہیں، فضائلِ اعمال میں احادیثِ ضعیفہ کے معتبر ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے، حضرت امام نوویؒ نے اِس پر اجماع نقل کیا ہے، بلکہ احکام میں بھی احادیثِ ضعیفہ کا اعتبار کیا جاتا ہے جب کہ شدید الضعف نہ ہوں، البتہ موضوع احادیث کا کہیں بھی اعتبار نہیں کیا جاتا، یہ بات آپؒ نے مختلف موقعوں میں تحریر فرمائی ہے۔

اِس سلسلے میں حضرت شیخؒ نے محدثین کی جو عبارتیں اور اپنا فیصلہ تحریر فرمایا ہے وہ درجِ ذیل ہے، تحریر فرماتے ہیں:

”حدیثِ ضعیف فضائلِ اعمال میں قابلِ عمل ہے، جیسا کہ

محدثین: عبدالرحمٰن بن مہدی، احمد بن حنبل، ابنِ مَعین، ابن مبارک، سفیان ثوری رحمہم اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ حدیثِ ضعیف فضائلِ اعمال میں قابلِ عمل ہے؛ بلکہ امام نوویؒ نے شرح المہذب (۱۲۲/۳) وغیرہ اپنی تصانیف میں فضائل میں حدیثِ ضعیف کے مقبول ہونے پر اجماع نقل فرمایا ہے۔

(۱) لكن الضعيف يُعمَل في فضائل الأعمال باتفاق العلماء. (شرح المهذب: ۱۲۲/۳)

(۲) امام نوویؒ اپنی کتاب "التبیان في آداب حَمَلة القرآن" میں ص/۸ پر فرماتے ہیں:

إعلم أن العلماء من أهل الحديث وغيرهم جوّزوا العمل بالضعيف في فضائل الأعمال. (التبيان/۸)

(۳) وقال النووي في الأذكار (ص: ۵): قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم: يجوز ويستحبّ العملُ في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعا. (الأذكار للنووي: ۵)

(۴) وقال السيوطي في "طلوع الثريّا" (۱۹۱/۲): الحديث الضعيف يتسامح به في فضائل الأعمال.

(۵) وقال في الدرج المنيفة (ص: ۱۰): الحديث الضعيف يُعمَل به في الفضائل والمناقب.

(۶) وقال علي القاري في المرقاة (۲/ ۲۶):

الحديث الضعيف يُعمَل به في فضائل الأعمال.

(۷) وقال في موضعٍ (۲/ ۱۱۴): أجمعوا على جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال.

(۸) وقال في موضعٍ آخر (۲/ ۱۷۲): يُعمَل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال باتفاق العلماء.

(۹) وقال السيوطي في تحذير الخواص (ص: ۷۴): قد أطبق علماء الحديث فجزموا بأنه لا تحل رواية الموضوع في أي معنى إلا مقرونا ببيان وضعه، بخلاف الضعيف، فإنه تجوز روايتُه في غير العقائد والأحكام.

(۱۰) وحكى السخاوي في شرح الألفية (ص: ۱۲۰) نحو ذلک عن عبد الرحمٰن بن مهدي وأحمد بن حنبل وابن معين وابن المبارک.

(نوادر الحدیث: ۱۶۴، نوادر الفقہ: ۱۶۲)

محقق ابن الہمام نے فتح القدیر (۱/ ۲۴۶) میں یہی لکھا ہے۔

فقہاء و محدثین کی مذکورۂ بالا تصریحات کی روشنی میں حضرت شیخؒ کا فیصلہ یہی تھا جو اُوپر مذکور ہوا کہ فضائل میں احادیثِ ضعیفہ کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے، اس لیے کسی کی تحقیق کے مطابق "فضائلِ اعمال" نامی کتاب میں بعض مقامات پر احادیثِ ضعیفہ بھی درج ہوگئی ہوں (گو دوسرے محققین کے نزدیک وہ بھی صحیح یا حسن ہوں) تب بھی کوئی اشکال کی بات نہیں؛ کیوں کہ فضائل میں احادیثِ ضعیفہ بھی معتبر ہوتی ہیں۔ یہ حضرت شیخؒ کی تحقیق ہے۔

(۹) یومِ عاشوراء میں گھر میں کھانے میں فراخی اور وسعت کرنا

یومِ عاشوراء یعنی دسویں محرم کو روزہ رکھنا تو مسنون عمل ہے، کیوں کہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے، لیکن اُس دِن گھروں میں اچھا کھانا پکانے کا تذکرہ بعض ضعیف روایتوں میں آیا ہے، حضراتِ غیر مقلدین اور سلفی حضرات اس کا انکار کرتے ہیں اور ایسا کرنے والوں پر سخت نکیر کرتے، اور اِس عمل کو بدعت کہتے ہیں، جب کہ علماءِ احناف اور اکابرِ دیوبند اِس کے قائل ہیں، اِس کے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب ؒ سے سوال کیا گیا، تو آپ ؒ نے اِس کا بہت تحقیقی اور تفصیلی جواب تحریر فرمایا۔

حضرت شیخؒ نے اِس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہ اور ابنِ جوزیؒ کا کلام بھی نقل فرمایا ہے، جس میں علامہ ابنِ تیمیہؒ نے اِس حدیث کو بالکل موضوع قرار دیا ہے، لیکن حضرت شیخؒ نے محدثانہ کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ: یہ حدیث پانچ صحابہ ﷺ سے متعدد طرق سے مروی ہے، یہ حدیث موضوع نہیں؛ بلکہ ضعیف ہے، اور تعددِ طُرق کی بنا پر اس کا ضعف بھی ختم ہوجاتا ہے، اِس سلسلے میں حضرت شیخؒ نے امام بیہقی، علامہ سخاوی، علامہ سیوطی، علامہ مُناوی، قسطلانی وغیرھم رحمھم اللہ کی عبارتیں ذکر فرمائی ہیں، اور اخیر میں تحریر فرمایا ہے:

> ’’جب اساطینِ امت اِس کو موضوع نہیں قرار دیتے ہیں، تو پھر وضع کا حکم مشکل ہے، اور ابنِ تیمیہؒ کا یہ دعویٰ کہ: ’’متعصبینِ حسین کی مَن گھڑت ہے‘‘؛ بے بنیاد ہے، بلا دلیل معتبر نہیں، جب کہ حدیث طرقِ متعددہ سے مروی ہے، پھر اُن کا دعویٰ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

(نوادر الحدیث/۵۱۷)

(۱۰) پندرہویں شعبان یعنی شبِ براءت کی فضیلت حدیثوں سے ثابت ہے یا نہیں؟

بہت سے سلفی اور غیر مقلدین ناواقفیت کی بنا پر شب براءت کی فضیلت ہی کا انکار کرتے ہیں، جبکہ حضراتِ فقہاء ومحدثین اور علماءِ احناف واکابر علماءِ دیوبند اس کی فضیلت واہمیت کے قائل ہیں، اِس سلسلے میں حضرت اقدسؒ سے سوال کیا گیا تھا، حضرتؒ نے بہت تفصیلی جواب تحریر فرمایا، اور شبِ براءت کے فضائل سے متعلق بیس احادیث نقل فرمائی ہیں، اور علامہ مُناوی اور شیخ الاسلام علامہ ابنِ تیمیہ کا یہ کلام نقل فرمایا ہے:

قال ابن تيمية: ليلة نصف شعبان روي في فضلها من الأخبار ما يقتضي أنها مفضلة ومن السلف مَن خصّها بالصلاة فيها. (فيض القدير: ۲/ ۳۲)

اخیر میں حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں:

> حقیقت یہ ہے کہ اِن احادیث کو اگر الگ الگ دیکھا جائے تو کلام کرنا ٹھیک ہے؛ لیکن اِن میں بہت سی روایات ایسی ہیں، جو شدید الضعف نہیں ہیں، اگر اُن کو ملایا جائے تو قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

(نوادر الحدیث/ ۲۴۱ تا ۲۵۱)

(۱۱) رُقیہ اور تعویذ شرک ہے یا نہیں؟

غیر مقلدین اور سلفی حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ رُقیہ اور تعویذ شرک ہے، بلکہ بعض لوگ تعویذ لکھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کو بھی جائز نہیں سمجھتے، اور بلادِ عرب میں سلفی ذہن رکھنے والے اگر کسی ہندی، پاکستانی شخص کو تعویذ باندھے دیکھ لیتے ہیں، تو فوراً

اس کو توڑ کر پھینک دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: شرک شرک؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے تعلیق تمائم کو شرک قرار دیا ہے۔

جب کہ حضراتِ صوفیاء و مشائخ اور علماءِ احناف رُقیہ اور تعویذ کو جائز قرار دیتے ہیں، جب کہ اُس تعویذ میں کوئی غلط الفاظ اور غلط معنیٰ نہ لکھے ہوں، یعنی ایسا تعویذ جو آیاتِ قرآنیہ، اسماءِ الٰہیہ یا ادعیہ پر مشتمل ہو، ایسے تعویذ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ علامہ ابنِ تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں، اور علامہ ابنِ قیمؒ نے زاد المعاد اور الطب النبوی میں، اور علامہ سیوطیؒ نے مجرباتِ سیوطی میں، امام غزالیؒ نے خواصِ قرآنی اور کتاب الاوفاق میں بہت سے مجرب عملیات، رُقیے اور تعویذات لکھے ہیں اور اُن کو جائز قرار دیا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کا عمل بھی اِسی کے مطابق تھا۔ ایک مرتبہ حضرت شیخؒ بہت سخت بیمار ہو گئے اور عرصے تک بیمار رہے، احقر اُس وقت زیرِ تعلیم اور حضرت کی خدمت میں تھا، حضرتؒ نے احقر کو صحت کے لیے آیاتِ شفاء۔ جس کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے ''القول الجمیل'' میں، اور حضرت تھانویؒ نے ''بہشتی زیور'' میں لکھا ہے۔ چینی کی پلیٹ میں زعفران سے لکھنے کا حکم دیا؛ چناں چہ احقر روزانہ بعد فجر لکھ کر حضرت کو پلایا کرتا تھا، الحمد للہ! حضرت کو شفاء ہوئی۔ حضرت پر سخت قسم کا سحر بھی تھا، بعض موقعوں پر تھوڑی مدت تک کے لیے احقر نے حضرت کو تعویذ پہنے ہوئے بھی دیکھا۔

اِس سلسلے میں بعض سلفی ذہن رکھنے والوں نے حضرت سے سوال کیا کہ ابو داود کی روایت میں ہے: مَن علّق تميمة فقد أشرك؛ پھر تعویذ، گنڈے کے دلائل کیا ہیں، حضور اکرم ﷺ یا صحابہؓ کے عمل سے اس کا ثبوت ہو تو بتلائیے، عقلی اور تاویلی جواب سے احتراز

کیجیے۔ چنانچہ حضرت اقدسؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا، جواب کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال: إذا فزع أحدكم في النوم فليقل أعوذ بكلمات الله التامّات الخ ... كان عبد الله بن عمرو رضي الله عنه يعلّمها من بلَغَ من ولده، ومن لم يبلغ منهم كتبها في صك، ثم علّقها في عنقه. (رواه أبوداود والترمذي، كذا في المشكاة: ۲۱۷، وكذا رواه البخاري في خلق أفعال العباد ص/۸۸)

وأخرج الطحاوي (۲/ ۳۲۳) عن عائشة رضي الله عنه قالت: ليست بتميمة ما عُلّق بعد أن يقع البلاء.

وأخرج أبو نعيم في أخبار أصبهان (ص: ۱۰۲) عن عائشة قالت: إنما التمائم ما عُلّق قبل البلاء، فأمّا ما عُلّق بعد البلاء فليس من التمائم. وكذا أخرجه الحاكم.

وفي طبقات الحنابلة لابن رجب (۴/ ۵۷) في ترجمة أبي عمرو بن قدامة: قال الموفّق: كان مجابَ الدعوة، وما كَتب لأحدٍ ورقةً للحمّى إلا شفاه الله تعالى.

اِس سے بھی بہ ظاہر تعویذ مراد ہے اور سلف کا عمل ہے۔ (نوادر الحدیث/ ۵۰۵)

(۱۲) انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام عالمِ برزخ میں زندہ ہیں یا نہیں؟ اور اصحابِ قبور واولیاء سے فیض ہوسکتا ہے یا نہیں؟

یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ اور معرکۃ الآراء مسائل میں سمجھا جاتا ہے کہ عالم برزخ میں

انبیا علیہم الصلاۃ والسلام زندہ ہیں یا نہیں، نیز عالم برزخ میں اولیاءِ کرام سے یعنی ان کے مرنے کے بعد بھی ان سے اور اصحابِ قبور سے فیض ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماءِ دیوبند وسہارنپور کا جو مسلک ہے بالکل واضح ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب بھی اسی مسلک ومشرب کے قائل تھے۔ البتہ سلفی اور غیر مقلدین حضرات اس کا انکار کرتے ہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب شارح ابوداود اس مسئلہ سے متعلق مسلک دیوبند کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

عندنا و عندمشايخنا حضرة الرسالة ﷺ حيٌ في قبره الشريف و حيوٰته ﷺ دنيوية من غير تكليف و هي مختصة به ﷺ و بجميع الانبياء صلوات الله عليهم و الشهداء لا برزخية كما هي حاصلة لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كما نص عليه العلامة السيوطي عليه الرحمة في رسالته "إنباء الاذكياء لحياة الأنبياء" فثبت بهذا أن حيوٰته دنيوية برزخية لكونها في عالم البرزخ.

(ترجمہ) ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بغیر مکلف ہونے کے۔ اور حیات مخصوص ہے آں حضرت ﷺ اور تمام انبیاءؑ اور شہداء کے ساتھ (وہ اس درجہ کی) برزخی نہیں ہے جو تمام مسلمانوں کو بلکہ سب آدمیوں کو حاصل ہے، چناں چہ علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ ''انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء'' میں بتصریح لکھا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیوی ہے، اور اس معنیٰ کر برزخی بھی ہے کہ عالمِ برزخ میں حاصل ہے۔

(رسالہ المھند علی المفند/ ۳۴، سوال ۵ کا جواب)

اور برزخی زندگی میں اولیاء ومشائخ اور اصحابِ قبور سے فیض ہوسکتا ہے یا نہیں؟

اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

وأما الاستفادة من روحانية المشايخ الأجلة و وصول الفيوض الباطنية من صدورهم أو قبورهم فيصح على الطريقة المعروفة في أهلها و خواصها لا بما هو شائع في العوام.

(ترجمہ) اب رہا مشائخ کی روحانیت سے استفادہ اور ان کے سینوں اور قبروں سے باطنی فیوض پہنچنا، سو بیشک صحیح ہے۔ مگر اس طریقہ سے جو اس کے اہل اور خواص کو معلوم ہے، نہ اس طرز سے جو عوام میں رائج ہے۔ (رسالہ المهند على المفند سوال-۱۱ کا جواب/۴۱)

حیاتِ انبیاء و شہدا کے متعلق حکیم الامت حضرت تھانوی ؒ کا کلام نہایت جامع ہے۔ جو اہل دیوبند کا مسلک ہے وہ یہ ہے۔ حضرت تھانوی تحریر فرماتے ہیں:

”مرنے کے بعد برزخی حیات ہر شخص کی روح کو حاصل ہے اور اسی سے جزاء و سزا کا ادراک ہوتا ہے، لیکن شہید کو اس حیات میں اور مُردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے، اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے۔ پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو اُحیاء کہا گیا۔ اور ان کو دوسرے اموات کے برابر کہنے کی ممانعت کی گئی۔ اور یہی حیات ہے، جس میں حضراتِ انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں، حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثلِ ازواجِ اُحیاء کے ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا، اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا، پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں، پھر شہداء پھر اور معمولی مُردے۔ (بیان القرآن سورہ بقرہ ج ۱/ ۸۸)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب ؒ بھی مسلکِ علماءِ دیوبند کے مطابق

حیاتِ انبیاء کے قائل تھے، نیز برزخی زندگی میں اولیاءِ کرام واصحابِ قبور سے فیض پہنچنے کے بھی قائل تھے۔ اگرچہ سلفی حضرات اس کے منکر ہیں، حضرت شیخ نے حیاتِ انبیاء سے متعلق اپنے ایک مقالہ میں دس حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، جن سے حیاتِ انبیاء کا ثبوت ہوتا ہے، اس کے بعد حیاتِ شہداء اور انبیاء کا فرق اور اس پر ہونے والے شبہات کے جوابات بھی تحریر فرمائے ہیں۔ حیاتِ انبیاء سے متعلق دس حدیثوں کے ذکر کرنے کے بعد حضرت شیخ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"یہ دس حدیثیں ہم نے بطور نمونہ کے ذکر کی ہیں، ان سے صاف اور واضح طور سے حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا اپنی قبورِ مطہرہ کے اندر باحیات ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ ساری روایات اس باب میں مؤید ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ پر عرض اعمال کا ذکر ہے یا حضور اقدس ﷺ پر درود شریف کے پیش ہونے کا ذکر ہے، اسی طرح قبر میں نماز پڑھنا اور لیلۃ الاسراء میں حضراتِ انبیاء کا ایک دوسرے سے ملاقات کرنا، یہ سب خواصِ حیات میں سے ہے، نیز آیتِ قرآنیہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم الصلاۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں:

"وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ"

(ترجمہ) ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کے راستہ میں شہید ہو گئے، یہ مت کہو کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں) اب جب کہ نص قرآنی سے حیاتِ شہداء ثابت ہوتی ہے، اور حضراتِ انبیاء شہدا سے بدرجہا افضل ہیں، لہٰذا ان کو بدرجۂ اولیٰ حیات حاصل ہوگی۔ حیاتِ شہداء اکمل واعلیٰ ہے، اور حیاتِ انبیاء ان سے اکمل واعلیٰ ہے، نیز حیاتِ انبیاء حیاتِ عنصری ہے، اور حیاتِ عامۂ مؤمنین وغیرہ برزخی ہے۔

(نوادر الفقہ باب-۶ کتاب الانبیاء/ ۲۲۶، ۲۲۷ مطبوعہ لکھنؤ)

یہ تو حضرت کی تحریر اور مقالہ کا اقتباس تھا، حضرت کی تقریر میں اس کی مزید وضاحت ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ حیاتِ انبیاء کے قائل ہونے کے ساتھ کبارِ اولیاء سے فیض پہنچنے کے بھی قائل تھے چناں چہ درس بخاری میں ارشاد فرماتے ہیں۔

’’میں ایک ضمنی بات کرتا ہوں، اگر چہ یہ میری حیثیت نہیں ہے، کہ حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات عجیب وغریب حیات ہے اس کا اندازہ ہم جیسوں کو نہیں ہو سکتا ہے، لیکن وہ اولیاءِ کبار جن کی روحانیت میں اللہ تعالیٰ تصرف کی قوت ڈال دیتے ہیں ان کو اندازہ ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو اولیاءِ کرام کی روحانیت اور ان کے قوت تصرف و فیض کا احساس ہوا ہے۔

بعض اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ دنیا میں اور اس عالم کون میں ہوتے ہوئے اگر وہ یوں نظر ڈالتے ہیں، تو ان کی نگاہ کا فیض ایک دو سو میل نہیں، ایک دو ہزار میل نہیں، ہزاروں میل دور چلا جاتا ہے۔ اور ایسے اولیاء اللہ اب بھی موجود ہیں، جن کے فیوض قلبیہ ہزاروں میل پہنچ جاتے ہیں، مرنے کے بعد بھی ان اولیاء کے فیوض کا انتقال ہوتا ہے کہ ان اولیاء سے کسی کو نسبی یا روحانی تعلق ہوتا ہے اور واقعۃً ان اولیاء کی روح ان سے راضی ہوتی ہے تو ان کے فیوض ان تک پہنچتے رہتے ہیں چاہے وہ ہندوستان چھوڑ کر مکہ چلے جائیں یا مدینہ یا کہیں اور چلے جائیں، تو جب ان اولیاء امت کے اندر اتنی طاقت ہے اور مرنے کے بعد ان کی حیات میں اتنا زور ہے تو جو صاحبِ امت ﷺ ہیں اور سید الانبیاء ہیں ان کی روحانیت کتنی فیض اور طاقت والی ہوگی۔

ایک بات کہنے کی نہیں لیکن کہتا ہوں کہ میں اپنی چارپائی پر بیٹھا تسبیح پڑھ رہا تھا،

نیچے ایک صوفی بیٹھے ہوئے تھے، جو زیادہ پڑھے لکھے نہیں، لیکن ان کے دل کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، ان سے میری دوستی ہے، میں ذکر کرتے کرتے باتیں بھی کر رہا تھا، میں نے ان سے یہ کہا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی بعثت اس عالم میں شرک وکفر کی بیخ کنی کے لیے ہوئی تھی، آپ توحیدِ خالص کی اشاعت کے لیے تشریف لائے تھے، تو انہوں نے ایک دم اسی وقت کہا: ابھی میں نے دیکھا کہ روضۂ اطہر سے ایک نور آیا اور تمہاری طرف گیا، مجھے تو کچھ پتہ نہیں چلا، اندھے آدمی کو کیا پتہ چلے، لیکن جس شخص کے سامنے یہ بات ہوئی تھی اس نے ایک دم یہ بات کہی۔

ایک دفعہ ایک طالب علم نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ جیسا پیدا کرنے پر قادر ہیں؟ تو میں نے کہا کہ دو باتیں ہیں: ایک ہے عالم امکان اور دوسرا عالم وقوع، عالم امکان میں اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ جیسا تو کیا حضرت محمد ﷺ سے کروڑوں اور اربوں درجہ رسول پیدا کرنے پر قادر ہیں، لیکن عالم وقوع میں یہ ہوگا نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کو خاتم الانبیاء سید المرسلین بنا دیا ہے، اور قیامت کے دن آدم اور تمام اولادِ آدم حضرت نبیٔ اکرم ﷺ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، وہ طالب علم صاحب کشف تھے، اور عجیب وغریب ان کے کشوف تھے، وہ کبھی کبھی میرے پاس آکر ادھر ادھر کی باتیں سنایا کرتے تھے، تو انہوں نے ایک دم رونا شروع کیا، اور بہت دیر تک روتے رہے میں تو خاموش ہوگیا، جب رونا ختم ہوگیا تو میں نے پوچھا کہ تو کیوں رو رہا تھا؟ اس نے کہا کہ جس وقت آپ یہ تقریر کر رہے تھے، تو میں نے دیکھا کہ روضۂ اطہر سے حضور اکرم ﷺ نے اپنا چہرۂ انور نکالا اور تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں، اب مجھے ڈر سا معلوم ہوا میں وہمی آدمی ہوں کہ حضور نے تائیداً دیکھا یا تردیداً؟ کیا ہوا ہوگا، خیر دس سال کے بعد

تیسرے سال میں نے حضرت شیخ (مولانا محمد زکریا صاحبؒ) کو خط لکھا، اور خط میں یہ واقعہ لکھ دیا، اور لکھنے کا منشا یہ بات تھی کہ میں نے خواب میں اس طرح دیکھا کہ مجھ سے کوئی پوچھتا ہے کہ کیا محمد ﷺ جیسا اللہ پیدا کر سکتے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ محمد ﷺ تو کیا ان جیسے لاکھوں بلکہ اربوں درجہ افضل پیدا کرنے پر قادر ہیں، پھر مجھے اس بچہ کا قصہ یاد آ گیا، تو میں نے یہ سب لکھ کر مدینہ منورہ بھیج دیا، شیخ کا وہاں سے جواب آیا کہ حضور ﷺ کا دیکھنا تردید نہیں تھی بلکہ تائید تھی۔ (کتاب التوحید/۱۶۱، ۱۶۲)

اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ اولیاء کے متصرف ہونے کے قائل تھے، دوسرے موقع پر آپ نے اس کی پوری وضاحت فرمادی کہ اللہ کی اجازت اور اس کی مرضی ومشیت کے بغیر سارے اولیاء اور سارا عالم مل کر بھی کچھ نہیں کر سکتے۔

چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا صدیق احمد باندویؒ سے ایک بدعتی نے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے چاہنے سے کچھ ہو سکتا ہے؟ مولانا نے جواب دیا: بہت کچھ ہو سکتا ہے، اگر اللہ چاہیں، مطلب یہ کہ اللہ ہی کے چاہنے سے ہو سکتا ہے، اللہ کے چاہے بغیر اگر ساری مخلوق چاہنے لگے تو کچھ نہیں ہوگا۔ آیا ہمارے رسول پاک ﷺ نے ابوطالب کی ہدایت کو نہیں چاہا ہے؟ لیکن کیا ہوا؟ وہ ہوا جو اللہ نے چاہا۔ کیا حضور قوم کی ہدایت نہیں چاہتے تھے؟ کیا آپ سارے عالم کی ہدایت کو نہیں چاہتے تھے؟ لیکن اللہ نے فرمادیا "اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ" اللہ جس کو چاہیں ہدایت دیں، جس کو چاہیں ہدایت نہ دیں، حالاں کہ حضور ﷺ دوست ودشمن سب کی ہدایت چاہتے تھے۔

(کتاب التوحید/ ۱۱۹، بخاری شریف/ ۱۱۱۲ اباب فی المشیۃ والارادۃ)

مذکورہ بالا ارشاد میں حضرت والا نے واضح فرمادیا کہ عالم دنیا یا عالم برزخ سارے عالم میں اللہ تعالیٰ کی مرضی اوراس کی مشیت کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوسکتا، سارے اولیاء وانبیاء بھی اس کی مرضی اورارادے کے بغیر کچھ بھی نہیں کرسکتے۔ فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْدُ صرف اسی کی شان ہے۔

(۱۳) استواء علی العرش اورنزولِ باری تعالیٰ سے متعلق علمی تحقیق

قرآن پاک کی بعض آیتوں اوراحادیثِ نبویہ میں بعض موقعوں پرحق تعالیٰ کے لئے ایسے الفاظ وکلمات ارشاد ہوئے ہیں اورحق تعالیٰ کے لیے کچھ ایسی صفات بیان کی گئی ہیں جو بظاہر حوادث اورمخلوق کی صفت ہیں، ان صفات کواللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ لازم آتی ہے، اس لئے اس کی حقیقت کوسمجھنے میں لوگوں کی مختلف رائیں ہوگئیں۔ مثلاً: قرآن پاک میں حق تعالیٰ کے **ید، وجہ، ساق، یمین، استواء علی العرش** اورحدیثوں میں حق تعالیٰ کے لئے **اصبع، رجل** اورنزولِ رب تعالیٰ کا تذکرہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ، چہرہ، پنڈلی، انگلی، پیر، عرش اورکرسی پر بیٹھنے، آسمان سے نیچے اترنے کا ذکر ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ صفات اوراجسام توحوادث اورمخلوق کے ساتھ ہوتے ہیں، اوراللہ تعالیٰ کی شان جواُس نے خود بیان کی ہے یہ ہے لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ (اُس جیسی کوئی چیز نہیں) یعنی اُس کے مثل کوئی نہیں ہوسکتا، لہٰذا یہ تو یقینی بات ہے کہ مخلوق کی طرح توحق تعالیٰ کے لئے صفات واجسام ہرگز نہیں ہوسکتے، پھر اس کا کیا مطلب ہے، اس کی حقیقت سمجھنے میں لوگوں کے مختلف نظریات ہیں۔ جودرج ذیل ہیں:

(۱) ایک طبقے نے ان صفات کو بالکل ظاہر پر محمول کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ جس طرح ہمارے ہاتھ، پیر، چہرہ، انگلیاں ہیں اور جس طرح ہم کرسی پر، عرش پر بیٹھتے اور اترتے ہیں نعوذ باللہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بھی ہاتھ، پیر اور انگلیاں وغیرہ ہیں۔ اور حق تعالیٰ بھی نعوذ باللہ اسی طرح چڑھتا اُترتا ہے، اس فرقے نے حق تعالیٰ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دی اور حق تعالیٰ کے لئے جسم کا قائل ہو گیا اس لئے اس فرقے کا نام فرقہ مشبّہہ اور مجسّمہ ہے، جو حق تعالیٰ کے لئے تجسیم و تشبیہ کا قائل ہو گیا، یہ نقطۂ نظر بالکل غلط اور بالکل باطل ہے۔ قرآن پاک کی اِس آیت لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ کے بھی خلاف ہے، اس لئے یہ فرقہ اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج اور گمراہ ہے۔

(۲) ایک طبقہ بالکل اس کے برعکس ہے کہ حق تعالیٰ کے لئے تجسیم و تشبیہ کی خرابی سے بچنے کے لئے حق تعالیٰ کے لئے سِرے سے اِن صفات ہی کا انکار کر دیا، یعنی حق تعالیٰ کے لئے جو صفات قرآن و حدیث میں اِس نوع کی بیان کی گئی ہیں، اُن صفات کو تسلیم کرنے ہی سے انکار کر دیا، یہ نقطۂ نظر بھی غلط ہے۔ کیوں کہ اس سے تو قرآن پاک اور احادیثِ صحیحہ کی تردید و تکذیب اور اور ان کا انکار لازم آتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لئے بیان فرمایا ہے، اس نقطۂ نظر کے حاملین خوارج و معتزلہ ہیں، یہ بھی مسلکِ اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہیں اور اُن کا یہ مسلک بالکل غلط اور باطل ہے۔

(۳) تیسرا مسلک حضرات سلف اور محدثین کا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں حق تعالیٰ کے لئے جتنی صفات بیان کی گئیں ہیں، وہ بالکل برحق ہیں، اُن پر ایمان لانا اور اُن کو تسلیم کرنا ضروری ہے، رہی بات یہ کہ اس کے معنیٰ و مطلب کیا ہیں؟ اس کے متعلق وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس کے حقیقی معنیٰ ہی مراد ہیں یعنی حق تعالیٰ کے لئے جو

صفات و اجسام بیان کیے گئے ہیں مثلاً: ہاتھ، پنڈلی وغیرہ۔ اسی طرح اُس کا عرش پر بیٹھنا اور بلند آسمان سے آسمانِ دنیا کی طرف اترنا، یہ حقیقی معنیٰ کے اعتبار سے ہے، لیکن اس کو مخلوق کی طرح سمجھنا اور مخلوق سے تشبیہ دینا اور اس پر قیاس کرنا قطعاً غلط ہے، کیوں کہ خود حق تعالیٰ کا فرمان ہے لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ، اس لئے حق تعالیٰ کے لئے ان صفات کو تو تسلیم کیا جائے گا، لیکن اس کی حقیقت پر نہ غور کیا جائے گا، نہ کوئی فیصلہ کیا جائے گا، بلکہ اس کو اللہ کے حوالے کیا جائے گا، اسی حقیقت کو تسلیم و تفویض کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضراتِ سلف اور محدثین کا مسلک اس سلسلے میں تسلیم و تفویض ہے یعنی ان صفات کو تسلیم کر کے حقیقی معنیٰ مراد لیتے ہوئے اس کی حقیقت کو اللہ کے حوالے کر دینا، جتنا قرآن و حدیث میں آیا اس پر ایمان لانا، اس کو تسلیم کرنا اور اپنی طرف سے کوئی بات نہ کہنا، بلکہ زبان کو روک لینا یہ حضراتِ سلف کا مسلک ہے۔

(۴) اِس سلسلے میں چوتھا مسلک حضراتِ خَلَف اور متکلمین کا ہے کہ وہ بھی حق تعالیٰ کے لئے اس نوع کے جملہ صفات کو جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں، قبول کرتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں، لیکن اس کے حقیقی معنیٰ مراد نہ لے کر توجیہ و تاویل کے ساتھ مجازی معنیٰ مراد لیتے ہیں، جو حضراتِ سلف اور صحابہ نے مراد نہیں لئے، مثلاً ید (ہاتھ) کے مجازی معنیٰ قدرت کے لئے وغیر ذلک۔ اور ایسا انہوں نے کسی مصلحت اور مجبوری کی وجہ سے کیا، خود اپنے لئے تو انہوں نے اسلاف اور محدثین کے مسلک کو پسند کیا، لیکن کم فہم و کم علم اور کم درجہ کے لوگوں کے لئے اُنہوں نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ باطل فرقہ والے یعنی فرقہ مجسّمہ و مشبّہ والے ان کو بہکا نہ سکیں۔ اُن کے باطل نظریئے اور گمراہی سے بچانے کے لئے اُنہوں نے مصلحۃً و ضرورۃً دلائل شرعیہ میں گنجائش سمجھ کر توجیہ و تاویل کر کے مجازی معنیٰ مراد لئے۔

یہ دونوں نقطۂ نظر اور یہ دونوں طبقے یعنی اسلاف محدثین اور اخلاف متکلمین اہل السنۃ والجماعۃ میں شامل ہیں، اور دونوں حق پر ہیں۔ ہمارے اکابر علماءِ دیوبند نے اصلاً تو اسلاف محدثین کے مسلک کو ترجیح دی اور اسی کو اختیار فرمایا ہے، لیکن امت کی دینی ضرورت کے پیشِ نظر مصلحتۂ خلف اور متکلمین کے مسلک کو ذکر فرمایا ہے، اب علماءِ دیوبند کے مسلک کو ملاحظہ فرمائیے۔

استواء علی العرش کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کی تشریح

خلف کو تاویل کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس بحث سے متعلق اہل السنۃ و الجماعۃ کے مسلک کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

اہل حق کے اس میں دو طریق ہیں، ایک طریقہ سلف کا ہے کہ اس کو حقیقی معنیٰ پر محمول فرماتے ہیں، اور حقیقی معنیٰ کی کنہ مفوّض للعلم الالٰہی (یعنی اس کی حقیقت کو حق تعالیٰ کے حوالے) کرتے ہیں، اور اس کی کوئی کیفیت متعین نہیں کرتے۔

اور دوسرا طریقہ خلف کا ہے کہ اس میں مناسب تاویل کر لیتے ہیں تاکہ گمراہ فرقے مشبّہہ و مجسّمہ ان کو غلطی میں واقع نہ کر سکیں، اس طرح سے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ عرش پر مستقر ہیں اور استقرار کے معنیٰ ظاہر میں جمنے اور بیٹھنے کے ہیں، تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے، جیسے ہم تخت پر بیٹھتے ہیں تو وہ بھی (یعنی اللہ تعالیٰ) ہماری طرح جسمانی چیز ہے نعوذ باللہ۔

اسی طرح وہ یہ شبہ ڈال سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ید یعنی ہاتھ اور

حدیث میں وضعِ قدم یعنی پاؤں رکھنا وارد ہے، اور ظاہر ہے کہ ہاتھ اور پاؤں اعضاء جسمانیہ ہیں، تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اعضائے جسمانیہ ہیں۔

اس کا جواب سلف کے طریقے پر یہ ہے کہ (حق تعالیٰ کے) ید اور قدم تو ہیں، مگر ہماری طرح کے نہیں، مگر اس کو سمجھنا بھی عوام کو مشکل ہے، اُن کا ذہن تو اِن مفہومات سے تجسّم اور تشبیہ ہی کی طرف جاتا ہے (کہ ہماری طرح حق تعالیٰ کے بھی نعوذ باللہ ہاتھ پیر ہیں) اور اس عقیدے سے بچانا واجب تھا، اس لئے علماء خلف نے اس کی یہ تدبیر کی کہ ایسے حقائق کی ایسے طریقے سے تاویل کردی کہ نہ قرآن وحدیث متروک ہو، اور نہ عقیدۂ تجسیم وتشبیہ (یعنی باطل عقیدہ) میں مبتلا ہوں، مثلاً: استواء علی العرش کو تنفیذِ احکام سے کنایہ کہہ دیا، اور ید کے معنیٰ قدرت کے کہہ دئے، وضعِ قدم کے معنیٰ مقہور کردینے کے کہہ دئے۔

اور یہ ضرورت حضراتِ سلف کو اس لئے پیش نہیں آئی کہ (اُن کے عہد میں ان خطرات سے) عوام اس لئے محفوظ تھے کہ اُس زمانہ میں یہ مبتدعین (یعنی فرقۂ مجسّمہ و مشبّہہ اہل باطل) کے مضامین نہ تھے، اس لئے ایسے شبہات اُن کے کانوں میں نہ پڑتے تھے، اُن کا ذہن خالی رہتا تھا اور ایسے مفہومات (یعنی قرآن وحدیث کی ایسی باتوں) پر اجمالاً عقیدہ رکھتے تھے (زیادہ تحقیق، کھود کرید، اور) تفتیش کی تشویش میں نہ پڑتے تھے۔ (الغرض عوام الناس کے لئے) ایسی تاویلات اُن کے دین کی حفاظت کا ذریعہ ہے، پس ایسے لوگوں کے لئے علماء متأخرین نے تاویلات کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اور طالبین میں مخاطبین کے تحمل (یعنی اُن کے فہم کی ایسی) رعایت خود شریعت میں مطلوب ہے **کما روی البخاری عن علی رضی اللہ عنہ قال: حدثوا الناس بما یعرفون، أتحبون أن یکذب اللہ و رسولہ، وروی مسلم عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ أنہ قال: ماأنت محدث قوماً حدیثاً لا یبلغہ عقولهم إلا کان لبعضهم فتنة.** (امداد الفتاوی ۶/ ۲۹، ۲۸)

علماءِ دیو بند کا مسلک

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اپنے فتاویٰ میں اسی موضوع سے متعلق ایک سوال کے جواب میں اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> ”میں اس عقیدے میں حضراتِ سلف کے مسلک پر ہوں کہ نصوص اپنی حقیقت پر ہیں مگر کنہ (حقیقت) اس کی معلوم نہیں، اور صوفیہ کے مذہب کو سلف کے خلاف نہیں سمجھتا، وہ حقیقت سے منکر نہیں بلکہ جہت کے منکر ہیں۔ بیان القرآن میں اس مقام کا حاشیہ ملاحظہ کر لیجیے کہ سلف کے مذہب کو اس میں ترجیح دی ہے۔
>
> (امداد الفتاویٰ ۶/ ۲۵، سوال- ۱۲م)

بیان القرآن میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

> ”**ثم استوىٰ على العرش** : سلف کا مذہب ایسے نصوص میں تفویض مراد کی حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف ہے یعنی جو استواءِ حق تعالیٰ نے مراد لیا ہے اور وہ حق تعالیٰ کی شان کے موافق ہے وہی مراد ہے، اور اکثر حضراتِ صوفیہ کا یہی مذہب ہے۔
>
> (بیان القرآن سورۂ اعراف پ ۸ رکوع/ ۱۳)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے اس موضوع سے متعلق علماءِ عرب کے ایک سوال کے جواب میں علماءِ دیوبند کے مسلک کی وضاحت فرمائی ہے جو درجِ ذیل ہے۔

سوال: ماقولكم في أمثال قوله تعالىٰ الرحمٰن على العرش استوىٰ.

هل تجوّزون إثبات جهة و مكان للباری تعالیٰ أم كيف رأيكم فيه؟

الجواب: قلنا فی أمثال تلک الآیات إنا نؤمن بها و لا يقال كيف؟ و نؤمن بالله سبحانه و تعالیٰ متعال و منزّه عن صفات المخلوقين و عن سمات النقص و الحدوث كما هو رأی قدمائنا ، و أما ما قال المتأخرون من أئمتنا فی تلک الآیات يأولونها بتأويلات صحيحة سائغة فی اللغة و الشرع بأنه يمكن أن يكون المراد فی الإستواء الإستيلاء و من اليد القدرة إلی غير ذلک تقريباً إلى أفهام القاصرين فحق أيضا عندنا ، و أما الجهة و المكان فلا يجوّز إثباتها له تعالیٰ ، و نقول إنه تعالیٰ منزّہ و متعال عنهما و عن جميع سمات الحدوث.

(ترجمہ سوال:) کیا کہتے ہو حق تعالیٰ کے اس قسم کے قول میں کہ رحمٰن عرش پر مستوی ہوا؟ کیا جائز سمجھتے ہو باری تعالیٰ کے لئے جہت و مکان کا ثابت کرنا؟ یا کیا رائے ہے؟

(جواب) اس قسم کی آیات میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ اِن پر ایمان لاتے ہیں اور کیفیت سے بحث نہیں کرتے ، یقیناً جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ مخلوق کے اوصاف سے منزّہ اور نقص وحدوث کی علامات سے مبرّا ہے، جیسا کہ ہمارے متقدمین کی رائے ہے اور ہمارے متأخرین اماموں نے جو صحیح اور لغت وشرع کے اعتبار سے جائز تاویلیں فرمائی ہیں تا کہ کم فہم سمجھ لیں، مثلاً یہ کہ ممکن ہے کہ استواء سے مراد غلبہ ہو، اور ہاتھ سے مراد قدرت ہو، یہ بھی ہمارے نزدیک حق ہے، البتہ جہت و مکان کا اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا ہم جائز نہیں

سمجھتے، اور ہم یوں کہتے ہیں کہ وہ جہت ومکانیت اور جملہ علاماتِ حدوث سے منزّہ وعالی ہے۔

(المھنّد علی المفنّد ص ۴۴، سوال وجواب نمبر: ۱۴)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب کا نقطۂ نظر

گذشتہ تفصیلات سے اچھی طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ استواء علی العرش اور نزولِ باری تعالیٰ وغیرہ مباحث میں علماءِ دیوبند نے بھی اصلاً سلف اور محدثین ہی کے مسلک کو راجح قرار دیا اور پسند فرمایا ہے جیسا کہ حضرت تھانویؒ کی تحریر سے واضح ہے، البتہ خلف اور متکلمین نے توجیہ وتاویل کا جو طریقہ اختیار کیا ہے، علماءِ دیوبند اس کو بھی غلط نہیں کہتے، کیوں کہ عوام کی دینی مصلحت سے ایسا کرنا واقعی شرعی ضرورت ہے، اس لئے عوام کے تعلق سے اس کو بھی راجح قرار دیا اور پسند کیا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی ترجیح کے مطابق سلف صالحین اور محدثین ہی کے مسلک کو پسند کیا اور اُسی کو راجح قرار دیا ہے، لیکن خلف اور متکلمین کی رائے اور اُن کی توجیہات وتاویلات کو بھی غلط اور باطل قرار نہیں دیا، ان موضوع سے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کی تقریر کے چند اقتباسات درجِ ذیل ہیں، جن سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت شیخ کا مسلک بھی وہی ہے جو حضرات اہلِ دیوبند کا ہے۔ اب اقتباسات ملاحظہ فرمائیے!

(۱) مسئلۂ استواء اور مسئلۂ عروجِ ملائکہ اِلی اللہ تعالیٰ یہ سب مسائل صفات اور متشابہات کے قبیل سے ہیں، اس کے اندر اسلم یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلف صالح کے مسلک کو اختیار کیا جائے یعنی تسلیم وتفویض سے کام لیا جائے، اور خلف تاویل کے قائل ہیں، مگر میں

خلف کے مسلک کو پسند نہیں کرتا ہوں۔ میری رائے یہ ہے کہ اِس میں (یعنی حق تعالیٰ کے لئے جہتِ علو ثابت کرنے یا نہ کرنے میں) اگر گول گول بات رکھے کہ جتنا ثابت ہے اتنا ہی کہے، اپنی طرف سے نہ جہت کا دعویٰ کرے اور نہ کسی بات کا، تو زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ (کتاب التوحید/ ۸۰)

(۲) احادیثِ صحیحہ بخاری و مسلم میں وارد ہیں (جن میں حق تعالیٰ کے لئے انگلیوں کا اثبات ہے) مسلم شریف میں ہے إن قلوب بنی آدم بین إصبعین من أصابع الرحمٰن اس لئے جیسے اور نصوص صفات کے متعلق تسلیم وتفویض کا مسلک یا تاویل کا مسلک اختیار کیا جاتا ہے، ایسے ہی اس طرح کی نصوص میں اختیار کرنا چاہیے، اگر تسلیم و تفویض کا مسلک اختیار کیا جائے، تو میرے نزدیک اسلم یہی ہے۔

اور اگر تاویل کرنی ہو تو مطلب یہ ہے کہ انتہائی قدرت مراد ہے۔ آدمی کہتا ہے یہ تو میری چٹکیوں کے اندر ہے مطلب یہ ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے، اس کے کرنے میں مجھ پر کوئی بوجھ نہیں ہوتا۔ (کتاب التوحید/ ۱۰۷)

(۳) حق تعالیٰ نزول فرماتے ہیں، نزولِ رب سے کیا مراد ہے، اس میں اختلاف ہے، حنابلہ اور عام محدثین تو اس کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہیں، اور کہتے ہیں اس کی رحمت اور اُس کے اوامر کا نزول مراد ہے، لیکن اس کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے بغیر تشبیہ و تمثیل کے تو زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ (کتاب التوحید/ ۱۳۹)

(۴) اللہ تعالیٰ نے جب تک عرش کو پیدا نہیں کیا تھا، تب تک اُس کا وجود نہیں تھا اور جب اللہ نے ہر چیز سے پہلے اوپر عرش کو پیدا کیا تو حق تعالیٰ شانہٗ نے اوپر اپنا جلوہ فرمایا اور اپنی خاص تجلی فرمائی، اُس تجلی کو استواء سے تعبیر فرمایا گیا، اس سے زیادہ کہنے کی

ہمت نہیں، مسئلہ بڑا عجیب وغریب ہے، قرآن پاک میں جو چیزیں آگئی ہیں آدمی وہاں بغیر اپنے عقلی گھوڑے کو دوڑائے تسلیم وتفویض سے کام لے اور ایمان لائے، نہ تشبیہ کرے، نہ تعطیل کرے۔ زیادہ غلو نہیں کرنا چاہیے، نزول ہوتا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں، مگر کیفیت نزول کیا ہے ہمیں معلوم نہیں، اللہ مستوی علی العرش ہے، ہم اس پر ایمان لاتے ہیں، لیکن کیفیت کیا ہے، ہم اس کو نہیں جانتے ہیں، جب اللہ کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں، تو اس کی صفت علو ونزول وغیرہ سے حقیقی واقفیت کس کو ہو سکتی ہے، یہاں تو وہی کہنا چاہیے جو سلفِ صالحین سے منقول ہے، اَمِرُّوْھَا کَمَا جَاءَتْ، جیسی آئی ہیں ویسے ہی انہیں گزار دو، اپنی طرف سے کچھ نہ کہو۔ (کتاب التوحید/ ۷۰، ۷۱)

حضرت شیخؒ کی تقریر کا خلاصہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ نے صفات باری تعالیٰ اور استوی علی العرش اور حق تعالیٰ کے نزول کے وغیرہ کے متعلق سلف وخلف کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے جو کچھ ارشاد فرمایا اس سے چند باتیں واضح طور پر سمجھ میں آتی ہیں:

(۱) خلف اور متکلمین کے بہ نسبت آپ سلف اور محدثین کے مسلک کو پسند فرماتے اور اور اسی کو راجح قرار دیتے تھے، جیسا کہ حضرت تھانویؒ وغیرہ بھی اسی کو پسند فرماتے تھے۔

(۲) لیکن متکلمین و متاولین کے مسلک اور ان کی تاویلات کو غلط اور باطل نہیں قرار دیتے تھے، بلکہ بغیر ابطال و تردید کے ان کو ذکر فرماتے تھے کما مرّ۔

> (۳) استویٰ علی العرش کے مسئلے میں آپ کے نزدیک استواء سے مراد تجلیٔ باری تعالیٰ ہے یعنی حق تعالیٰ نے عرش کو پیدا فرما کر اس پر اپنی خاص تجلی فرمادی، اسی کو استواء علی العرش فرمادیا گیا۔
>
> اور واقعہ یہ ہے کہ استواء علی العرش سے حق تعالیٰ کی خاص تجلی مراد لینا جیسا کہ حضرت شیخؒ نے۔ اقتباس نمبر ۴ - میں تحریر فرمایا ہے، یہ بھی ایک نوع کی تاویل ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

اب ایک سوال یہاں پر یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت شیخ نے جو یہ فرمایا کہ: استواء علی العرش سے مراد یہ ہے کہ عرش پر حق تعالیٰ کی تجلی ہوگئ، اسی کو عرش پر مستوی ہونے سے تعبیر کیا گیا، سوال یہ ہے کہ عرش پر حق تعالیٰ کی تجلی ہونے سے کیا مراد ہے، اور اس میں عرش ہی کی کیا تخصیص ہے؟

اس کے سمجھنے لئے حضرت تھانویؒ کا ارشاد جو انہوں نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے حوالے سے ارشاد فرمایا تھا، بہت کافی ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

> ''حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ: نصوص میں ''اللہ استویٰ علی العرش'' نہیں فرمایا، بلکہ جابجا ''الرحمٰن علی العرش استویٰ'' آیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت کی تجلی عرش پر زیادہ ہے، پس یہ تخصیص ایک خاص صفت کی تجلّی کے اعتبار سے ہے، ذات کے اعتبار سے نہیں، اسی لئے احکام سب عرش سے آئے ہیں، کیوں کہ احکام میں رحمت کا خاص ظہور ہوتا ہے۔

(وعظ المودۃ الرحمانیۃ ملحقہ جزاوسزا/۴۱۹)

متأخرین کے مسلک کے مطابق استویٰ علی العرش کی مناسب تأویل

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ استواء علی العرش کے متعلق اپنے مسلک ورجحان کو ظاہر کرتے ہوئے اور متأخرین کے مسلک کے مطابق تاویل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

”حق تعالیٰ مکان سے پاک ہے، اس لئے عرش کو مستقر خداوندی نہیں کہا جاسکتا، اس سے یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ استویٰ علی العرش کے معنیٰ استقرار کے نہیں ہو سکتے، کیوں کہ بیٹھنے کی جگہ وہ ہوسکتی ہے جو بیٹھنے والے سے زیادہ ہو یا کم از کم اس کے برابر تو ہو، مثلاً: اگر ہم تخت یا کرسی پر بیٹھیں اور اس کے اوپر ایک تنکا پڑا ہوا ہو، تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہم تنکے پر مستقر ہوئے، کیوں کہ اس کو ہم سے کچھ بھی نسبت نہیں، اس لئے وہ ہمارا مکان نہیں بن سکتا، پس اسی طرح عرش خدا کا مکان نہیں بن سکتا، کیوں کہ اس کو خدا سے وہ نسبت بھی نہیں، جو رائی کے دانے کو ہم سے ہے۔“

اس دلیل سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ استواء علی العرش کے معنیٰ بیٹھنے کے ہرگز یہاں نہیں ہوسکتے۔ اب سوال ہوگا کہ پھر کیا معنیٰ ہیں؟ اس میں سلف کا مسلک تو یہ ہے کہ سکوت کرو، اور واقعی سلامتی اسی میں ہے، مگر متأخرین نے بمصلحتِ وقت کسی مناسب تاویل کردینے کی اجازت دی ہے، جب مصلحت کی بنا پر تاویل کا باب مفتوح ہوگیا، تو ہر شخص کو مناسب تاویل کردینے کا حق ہے، ایک تاویل میرے ذہن میں اس آیت کی آتی ہے، جو دوسری تاویلوں کی بنسبت اقرب اور بہت صاف ہے، مگر میرا طبعی مذاق سلف کے موافق ہے (کہ سلف کے مسلک کے مطابق جتنا نصوص میں آیا ہے، اُس پر ایمان لایا

جائے باقی توجیہ وتاویل سے سکوت کیا جائے) لیکن جو بضرورت تاویل کرنا ہی پسند کرتے ہیں، وہ میری اس تاویل کو بھی انھیں تاویلوں میں جگہ دے دیں۔

میرے ذہن میں استویٰ علی العرش کے متعلق یہ بات آئی ہے کہ بعض آیات میں "**استویٰ علی العرش**" کے بعد "**یدبّر الامر**" بھی آیا ہے، جس کو **استویٰ علی العرش** کا بیان قرار دیا جائے تو یہ محاورہ ایسا ہو جائے گا کہ ہماری زبان میں بولا جاتا ہے کہ "ولیِ عہد تخت نشین ہو گیا" عرف میں تخت نشین ہونے کے معنیٰ حکمراں ہونے کے ہیں، خاص تخت پر بیٹھنا ضروری نہیں، اسی طرح **استویٰ علی العرش** کے معنیٰ تدبیر حکمرانی فرمانے کے ہیں، یعنی زمین و آسمان کو پیدا فرما کر حق تعالیٰ شانہ ان آسمان و زمین میں حکمرانی وتدبّر وتصرّف کرنے لگے، پس اگر تاویل کی جائے تو یہ تاویل بھی عمدہ اور لطیف تاویل ہے، پس یہ کنایہ ہوگا۔ (وعظ رأس الربیعین ملحقہ مواعظ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/ ۳۳۳)

ماقبل میں ذکر کردہ پوری تفصیل سے اچھی طرح بات واضح ہو گئی کہ استویٰ علی العرش اور صفاتِ باری تعالیٰ کے مسئلے میں سلف اور متکلمین نے جو بحثیں کی ہیں، اُن سب کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سلف کے مسلک کو ترجیح دینا اور اسی کو اختیار کرنا یہ صرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ ہی کا مختار نہیں ہے، اور وہ اس میں منفرد نہیں ہیں، بلکہ ہمارے دوسرے اکابر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ نے بھی سلف کے مسلک ہی اختیار فرمایا اور اسی کو ترجیح دی ہے۔ یہی ہمارے اکابر کا مسلک ہے، البتہ عوام کی مصلحت اور دینی ضرورت کے پیشِ نظر خلف اور متکلمین کے مسلک کو یعنی استویٰ علی العرش اور صفات باری تعالیٰ میں توجیہ وتاویل کی بھی اجازت دی ہے، جس کی تفصیل ماقبل میں گذر چکی۔ یہ ہے اصل مسئلہ کی حقیقت، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے اور ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ **اللھم ارنا الحق حقًا و ارزقنا اتباعہ و ارنا الباطل**

باطلاً و ارزقنا اجتنابه، اللهم ثبت أقدامنا على صراطك المستقيم و اهدنا إلى سواء الطريق و صلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد و على اله و أصحابه أجمعين. برحمتك يا أرحم الراحمين.

تحقیق کی بنا پر بعض مسائل میں اپنے امام یا فقہاءِ مجتہدین کے خلاف رائے قائم کرنا ان کی تقلید و اتباع کے منافی نہیں

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ”محققین کی رائے تو یہ ہے کہ اگر محقق کو کوئی بات دلائل کی روشنی میں احادیث کے مطابق معلوم ہو اور وہ امام صاحب کے قول کو چھوڑ دے، تو یہ خلافِ تقلیدِ امام نہیں ہے، اس لئے کہ خود امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد ہے **اذا صح الحدیث فھو مذھبی.**
>
> (ابن عابدین ۱/ ۴٦)
>
> یہ عجیب بات کہہ دی کہ اگر کوئی کسی کی ہر بات میں موافقت کرتا ہو اور اتفاق سے ایک یا دو باتوں میں جو اس کے نزدیک اولیٰ اور راجح ہیں اگر موافقت نہ کرے، تو کیا ایسے شخص کو اس کا مخالف قرار دیں گے؟ ہرگز نہیں، اس قسم کا اختلاف تو باپ اور بیٹوں میں ہوا کرتا ہے، استاذ اور شاگردوں میں ہوا کرتا ہے، مگر اس کو مخالفت سے تعبیر نہیں کرتے ہیں، اب اگر اتفاق سے اتباعِ

امام نے امام صاحب سے بعض مسائل میں دلائل کی وجہ سے مخالفت کی ہے، تو یہ متابعت کے خلاف نہیں ہے، آخر حضراتِ صاحبین نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی کتنے مسائل میں مخالفت کی ہے، پھر کوئی ان کے بارے میں یہ خیال رکھتا ہے کہ وہ امام صاحب کے خلاف ہیں؟ میرے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ ایک بلکہ اس سے بھی زیادہ مسائل میں اگر کوئی مخالفت کرے اور دلیل کے تابع ہو کر کرے، تو یہ مخالفتِ امام نہیں ہے۔ بعض مسائل بظاہر امام صاحب سے منقول ہیں اور صاحبین اس کے خلاف کے قائل ہیں، بلکہ بعض میں تو صاحبین ہی کے قول پر فتویٰ ہے، اور ۱۷ یا ۲۰ مسائل تو ایسے ہیں کہ امام زفرؒ کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے، لیکن کوئی بھی اس سبب سے حنفیت سے خارج نہیں ہوا۔'' (نوادر الفقہ/ ۷۲)

حضرت شیخؒ نے جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے، ہمارے دوسرے اکابر بھی اسی حقیقت کو لکھتے چلے آرہے ہیں، چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

> ''اعتقاد میں ایسا غلو ٹھیک نہیں، ہم کوئی موسیٰ علیہ السلام تو ہیں نہیں، جب ہم جیسے نالائق امام اعظم کے بعض فتووں کو غلط کہہ دیتے ہیں، تو ہمارے فتوے کیا چیز ہیں۔'' (حسن العزیز ۲/ ۳۷۰)

نیز ارشاد فرماتے ہیں:

''اگر کسی اور جزئی میں بھی ہم کو معلوم ہو جائے کہ حدیث صریح منصوص کے خلاف ہے، تو اس کو بھی چھوڑ دیں گے، اور یہ تقلید کے خلاف نہیں، آخر

بعض مواقع میں امام صاحب کے اقوال کو بھی چھوڑا گیا ہے، ہاں جس جگہ حدیث کے متعدد محمل ہوں وہاں جس محمل پر مجتہد نے عمل کیا ہے، ہم اسی پر عمل کریں گے۔" (الکلام الحسن/ ٦٥)

نیز ارشاد فرماتے ہیں:

"اگر قولِ ابی حنیفہ کو ہم کسی آیت یا حدیث کے خلاف دیکھیں گے، تو اس وقت بے شک اس کو ترک کریں گے۔" (القول الجمیل/ ٧٠)

الحمدللہ اس کے مطابق ہمارے اکابر مثلاً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا عبدالحی فرنگی محلی، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا بھی عمل رہا ہے، جس کی چند مثالیں آگے آرہی ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ نے بھی اکابر کے اس طرز کو اختیار فرمایا اور آپ نے بھی بہت سے مسائل میں اپنی تحقیق کے مطابق حنفی مسلک سے ہٹ کر دوسری رائے کو ترجیح دی، لیکن خود آپ ہی کی تصریح کے مطابق اس کی وجہ سے ایسے محقق پر نہ تو اپنے امام کی مخالفت کا الزام عائد کیا جاسکتا ہے، اور نہ محض اس کی وجہ سے اس کو اپنے مسلک سے جس کا وہ پابند تھا (مثلاً حنفیت) سے خارج کیا جاسکتا ہے۔

مسائل کی تحقیق میں ہمارے اکابر علماء کا تفوق و امتیاز اور عدل و انصاف اور دیانت کی چند مثالیں

الحمدللہ! ہمارے اکابر علماء وفقہاء کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بخشی ہے کہ بہت سے مسائل میں جب ان کی تحقیق کے مطابق کسی مسئلے میں فقہاءِ متقدمین کی رائے مرجوح اور

حدیث کے خلاف تھی، تو پوری بحث و تحقیق کے بعد انہوں نے واضح فرمادیا کہ اس مسئلہ میں فلاں امام و مجتہد کی بات یا فلاں فقیہ کی تحقیق کمزور اور ظاہر حدیث کے خلاف ہے، اس لئے مرجوح ہے اور اپنے امام کی رائے کے خلاف دوسری رائے کو راجح قرار دیا، اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

پہلی مثال

(۱) حدیثوں میں زوال کے بعد چار رکعتوں کے پڑھنے کا ذکر ہے:

أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كان يصلي أربعا بعد أن تزول الشمس قبل الظهر

(ترمذی شریف)

اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث پاک میں کون سی چار رکعات مراد ہیں؟

حضرات احناف فرماتے ہیں کہ اس سے ظہر سے پہلے کی چار سنتیں ہی مراد ہیں جو ان کو پڑھے گا اس کو فضیلت حاصل ہوگی، جب کہ حضرات شوافع فرماتے ہیں کہ اس سے ظہر سے پہلے کی سنتوں کے علاوہ چار نوافل مراد ہیں، جیسے صلوٰۃ الاشراق ہوتی ہے، اسی طرح صلوٰۃ الزوال بھی ہے اور یہ بھی مسنون ہے، اسی نفل نماز کی فضیلت کو حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے۔

لیکن حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے حدیث مذکور کے پیش نظر حنفی مسلک کے خلاف شوافع کے مسلک کو ترجیح دی، اور اسی کو اختیار فرمایا ہے، چنانچہ اسی حدیث پاک کے تحت ''الکوکب الدرّی'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

قوله: "أربع بعد الزوال" قال بعضهم هذه سنن الظهر و الحق أنها غيرها.

(الکوکب الدرّی، ص ۱۹۳، مطبوعہ مکتبہ یحیوی سہارنپور)

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اسی حدیث کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:

"مذکورہ دونوں حدیثوں میں جن چار رکعات نماز کا حکم ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان سے مراد ظہر کی سنن قبلیہ ہیں، جب کہ شافعیہ کے نزدیک یہ سنن زوال ہیں، اور حضرت گنگوہیؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ (درس ترمذی ۲/۲۴۶)

دوسری مثال

(۲) صحیح حدیثوں میں غروب آفتاب کے بعد قبل المغرب دو رکعات نفل پڑھنے کا ذکر ہے، احناف کا اصل مسلک ممانعت کا ہے، چنانچہ متون میں اسی ممانعت کا تذکرہ ہے، صاحب درمختار نے کراہت ہی کے قول کو ترجیح دی ہے،

و کره نفل قبل صلوٰة المغرب. (درمختار شامی ۱/۲۷۷، مجمع الانھر ۱/۷۴)

لیکن حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے حدیث صحیح کے پیش نظر صاف طور پر فرما دیا کہ حق تو یہی ہے کہ یہ نماز مکروہ نہیں ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

باب ماجاء في الصلوٰة قبل المغرب، هذا مما اختلف فيه علماؤنا، والصحيح عدم كراهتها إذا لم يخف فوات التكبيرة الأولىٰ من صلوٰة المغرب۔ (الکوکب الدرّی ص ۱۰۳)

الغرض مذکورہ ان دونوں مسئلوں میں حضرت گنگوہیؒ نے اپنی تحقیق کے مطابق حدیث صحیح کے پیش نظر حنفی مسلک کے بجائے دوسرے مسلک کو ترجیح دی ہے، ایک مثال اور ملاحظہ فرمایئے!

تیسری مثال

(۳) حنفی مسلک کا بہت معروف و مشہور مسئلہ ہے کہ فجر کی نماز پڑھتے پڑھتے اگر سورج نکل آئے تو فجر کی نماز نہ ہوگی ، بعد میں قضا کرنی پڑے گی ، اور عصر کی نماز پڑھتے پڑھتے اگر سورج غروب ہو جائے تو نماز ہو جائے گی ، بعد میں ادا کرنے کی ضرورت نہیں ، احناف کا یہ مشہور مسئلہ ہے اور اسی پر فتویٰ بھی دیا جاتا ہے ، اور اس میں لمبی لمبی بحثیں اور دلیلیں بیان کی گئی ہیں کما فی ردالمحتار **لأن وقت الفجر كله كامل فوجبت كاملة فتبطل بطرو الطلوع الذی هو وقت فساد۔۔۔ ، علی أن الإمام الطحاوی قال: إن الحديث منسوخ بالنصوص الناهية ،و ادّعیٰ أنّ العصر تبطل كالفجر الخ** (شامی ۱/۲۷۴)

جب کہ حدیث پاک میں فجر و عصر دونوں کا ایک حکم بیان کیا گیا ہے یعنی فجر پڑھتے ہوئے طلوع آفتاب ہو جائے یا عصر پڑھتے ہوئے غروبِ آفتاب ہو جائے دونوں صورتوں میں نماز ادا ہو جائے گی۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من أدرک من الصبح رکعة قبل أن تطلع الشمس فقد أدرک الصبح و من أدرک من العصر رکعة قبل أن تغرب الشمس فقد أدرک العصر. (سنن الترمذی)

لیکن حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے لمبی بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں فجر اور عصر دونوں برابر ہیں یعنی دونوں نمازیں ہو جائیں گی ، اور اس سلسلہ میں فقہاء احناف نے جس فرق کو بیان کیا ہے ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اس کو باطل

قرار دیتے ہوئے اخیر میں اسی بات کو تحریر فرمایا ہے کہ فجر کی نماز پڑھتے ہوئے اگر طلوع آفتاب ہو جائے، تو یہ نماز بھی ہو جائے گی، فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، چنانچہ بحث کرتے ہوئے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:

والذی ذهب إليه الأحناف هو الفرق بين العصر و الفجر فی ذلک الحكم ...... فإذا كان كذالک فبعد خروج الوقت سواء كان في الفجر أو العصر لايؤد يه العبد إلا من عنده فيستويان في أن كلّا من عنده ... فبطل الفرق الذی بيّنه فافهم ۔فالمعنی أن من لحق بر كعة من الفجر قبل طلوع الشمس فقد أدرک الفجر بمعنی أن النائم مثلاً و الساهي أو المقصّر إذا شرع في الصلوٰة و الباقي من الوقت لم يكن إلا قدر ركعة لو صلّیٰ و أتم صلوٰته جازت صلوٰته.

(الکوکب الدرّی ص ۱۰۳ تا ۱۰۵)

الغرض فقہ حنفی کا ایک مشہور مسئلہ جو عام طور پر کتب فقہ میں مذکور ہے اور مفتیٰ بہ بھی ہے، لیکن حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنی تحقیق کے مطابق اس مسئلہ میں حنفی مسلک کو قبول نہ کرتے ہوئے دوسری رائے کو اختیار فرمایا، لیکن اس کے باوجود محض اس کی وجہ سے ان کو حنفیت سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

چوتھی مثال

(۴) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

”اگر امام کی دلیل سوائے قیاس کے کچھ نہ ہو اور حدیث معارض موجود ہو تو قول امام کو چھوڑ دیا جاتا ہے، جیسے **ما أسکر کثيره فقليله حرام** میں ہوا ہے کہ امام صاحب نے قدر غیر مسکر کو جائز کہا ہے اور حدیث میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے، یہاں امام صاحب کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (حسن العزیز ۴/ ۳۹۷)

پانچویں مثال

(۵) دعاءِ توجیہ یعنی اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَنِیْفًا اُلخ کے متعلق متأخرین فقہاءِ احناف نے تصریح فرمائی ہے کہ اس دعا کو تکبیر تحریمہ سے پہلے پڑھنا چاہیے اور تکبیر تحریمہ کے بعد صرف ثناہی پڑھنا چاہیے، جب کہ متعدد احادیث میں نماز کے اندر تکبیر تحریمہ کے بعد دعاءِ توجیہ پڑھنے کا ذکر ملتا ہے، لیکن فقہاءِ احناف نے عموماً اس کو تکبیر تحریمہ سے قبل پڑھنے پر محمول کیا ہے، چنانچہ نہایہ بنایہ شرحِ ہدایہ میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔

لیکن حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلیؒ نے واضح طور پر فرمادیا کہ فقہا کی یہ بات خلافِ سنت ہے، احادیثِ مبارکہ میں دعاءِ توجیہ کا نماز کے اندر یعنی تکبیرِ تحریمہ کے بعد پڑھنا منقول ہے نہ کہ پہلے، چنانچہ نسائی شریف میں محمد بن مسلمۃ کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے، اس لئے حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

قال الفاضل اللكنوی فی عمدة الرعاية : اختار المتأخرون يعنی من الحنفية أن يقرأ إنی وجهت وجهی قبل التحريمة ليكون أبلغ فی إحضار القلب وجمع العزيمة كما ذكره فی النهاية و البناية و غيرهما لكن هذا مما لا أصل له فی السنة و إنما الثابت فی الأحاديث التوجيه فی الصلاة لا قبلها . انتهى كلامه.

(عمدة الرعاية حاشيه شرح وقاية، ص ۱۴۴ ج ۱ حاشيه نمبر ۱۰، تحفة الأحوذی: ۲/۴۷)

چھٹی مثال

(۶) جس برتن میں کتے نے منہ ڈال دیا ہو یعنی کتے کے جھوٹے برتن کو پاک کرنے کے سلسلے میں روایات دو طرح کی ہیں: بعض میں تین مرتبہ دھونے کا ذکر ہے، بعض میں سات مرتبہ دھونے کا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین مرتبہ دھونے سے

برتن پاک ہو جائے گا، حضرات شوافع ، مالکیہ، حنابلہ کے نزدیک سات مرتبہ دھونا واجب ہے، احناف نے تین مرتبہ دھونے والی روایات کو اختیار کیا ہے، اور سات مرتبہ دھونے والی روایات کو استحباب یا نسخ پر محمول کیا ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں تحقیقی کلام فرماتے ہوئے احناف کے مسلک کو مدلل فرمایا ہے، لیکن حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی حنفی کی تحقیق کے مطابق سات مرتبہ دھونے والی روایات زیادہ قوی ہیں، اس لئے انہوں نے سعایۃ شرح شرح وقایہ میں انہی کو راجح قرار دیا ہے ، اور علامہ ابن ہمامؒ کے دلائل کا تعاقب کیا ہے، چنانچہ بحث کرتے ہوئے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:

ولعل المنصف غير المتعسف يعلم بعد ملاحظة هذا البحث ضعف كلام أرباب التثليث و قوة كلام أصحاب التسبيع و التثمين فتأمل فى هذا المقام فإن المقام من مزال الاقدام حتى زل قدم الهجام بن الهمام.

(السعاية، تحفة الاحوذی: ۱/ ۲۵۸)

ساتویں مثال

(۷) بیع وشراء میں ایجاب وقبول کے بعد بھی بائع ومشتری کو خیارِ مجلس (یعنی مجلس بیع کے اندر اس معاملہ کو فسخ کرنے کا اختیار رہوگا یا نہیں؟) اسی اختیار کو خیارِ مجلس کہتے ہیں، شوافع وحنابلہ اس کے قائل ہیں، احناف ومالکیہ اس کے قائل نہیں، حدیث ”البیّعان کل واحد منهما بالخيار على صاحبه مالم يتفرقا“ میں اس اختیار کا تذکرہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمر جو اس حدیث کے راوی ہیں، وہ بھی خیارِ مجلس کے قائل تھے، اور حدیث میں تفرق سے تفرق بالابدان مراد لیتے تھے، لیکن احناف خیار مجلس کے قائل نہیں ، اور اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں کہ اس سے تفرّق بالاقوال مراد ہے۔ اور احناف نے اپنے

مسلک کی تائید میں قرآن وحدیث کے مضبوط دلائل بیان کیے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتھم نے ”تکملہ فتح الملہم شرح مسلم“ میں اس کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، لیکن اس کے بعد اخیر میں اپنی رائے یہ ظاہر فرمائی ہے کہ احناف کے تمام دلائل نظر سے خالی نہیں، صحابیٔ رسول عبد اللہ بن عمر نے حدیثِ بالا میں تفرق سے تفرق بالابدان ہی مراد لیا ہے۔ جس سے خیارِ مجلس ثابت ہوتا ہے، اخیر میں اپنی رائے کی تائید میں حضرت مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلیؒ کا کلام بھی ذکر کیا ہے کہ انہوں نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے، علامہ شیخ محمد تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

”قال العبد الضعیف لکن الحقیقة أن قلبی لاینشرح لما قاله الحنفیة فی الاعتذار عن حدیث الباب، ففی جمیع دلائلهم و تاویلاتهم عندی نظر لأن ابن عمر رضی الله عنه فهم من هذا الحدیث التفرق بالابدان و أن موضوعه ثبوت خیار المجلس . و قال الشیخ اللکنوی فی التعلیق الممجد و فهم الصحابی و إن لم یکن حجة لکنه أولیٰ من فهم غیره بلا شبهة.

(فتح الملہم شرح مسلم باب ثبوت خیار المجلس: ۳۵۹/۷)

یہ صرف چند مثالیں احقر نے بطور نمونے کے عرض کی ہیں ورنہ اکابر علماء، فقہاء و محدثین کے یہاں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں کہ ان کی تحقیق انیق کے مطابق جو بات ان کے نزدیک راجح تھی اس سلسلہ میں انہوں نے نہایت عدل و انصاف اور دیانت داری کے ساتھ اس کو ظاہر فرمادیا، گو وہ ان کے مسلک اور ان کے امام و مجتہد کے مسلک کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، الحمد للہ ہمارے اکابر اس عدل وانصاف اور علمی دیانت داری میں بھی ممتاز ہیں۔

ہمارے بزرگ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب بھی اپنے اکابر و

اسلاف کے نقشِ قدم پر تھے کہ جس مسئلہ میں تحقیق کے بعد اپنے امام اور اکابر و اسلاف کی رائے کے خلاف دوسری رائے راجح سمجھ میں آئی تو آپ نے اس کا بلا تکلف اظہار فرمایا اور اپنے اکابر اور فقہائے احناف کی رائے سے اختلاف فرمایا، نہ یہ کوئی نئی بات ہے، اور نہ ہی قابل اعتراض بات ہے، بلکہ علمی دیانت داری کا تقاضا ہے، اور جن اختلافی مسائل میں آپ کی رائے احناف کے مسلک کے مطابق تھی ان میں آپ نے حنفی مسلک کی پوری تائید اور وکالت بھی فرمائی ہے۔ جس کی متعدد مثالیں ماقبل میں ذکر کی گئیں، اور جن بعض مسائل میں آپ نے مسلکِ احناف یا اکابر کی کسی رائے سے اختلاف فرمایا، اس کے متعلق واضح طور پر یہ قاعدہ بیان فرما دیا کہ چند مسائل میں تحقیق کی بنا پر اپنے امام کے خلاف رائے اختیار کرنے سے وہ شخص حنفیت سے خارج نہیں ہو جاتا۔ جیسا کہ حضرت کے حوالے سے یہ بات ماقبل میں ذکر کی جاچکی۔

دوسرے محققین کی چند اور مثالیں

فائدہ: عدل وانصاف اور علمی دیانت داری کے متعلق ہمارے اکابر کا جو معمول رہا اس کی چند مثالیں ماقبل میں ذکر کی گئیں، دوسرے حضرات محققین ومحدثین کے یہاں بھی یہ چیزیں ملتی ہیں تتمیم فائدہ کے لئے اس کی بھی چند مثالیں عرض کی جاتی ہیں:

(۱) علامہ ابن تیمیہ وابن قیمؒ نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا انکار کرتے ہیں، انھیں کی اتباع میں حضرات غیر مقلدین بھی فرض نمازوں کے بعد نہ تو خود دعا کرتے ہیں اور جو لوگ دعائیں کرتے ہیں ان پر نکیر کرتے، بلکہ اس کو بدعت کہتے ہیں، اور علامہ ابن قیمؒ نے تو ’’زاد المعاد‘‘ میں یہاں تک لکھ دیا کہ نماز کے بعد امام یا مقتدی کا قبلہ رو ہو کر

دعا کرنا کسی صحیح یا حسن حدیث سے ثابت نہیں اور نہ ہی حضور ﷺ کا معمول تھا۔

قال الحافظ ابن قیم فی زاد المعاد: و أما الدعاء بعد السلام من الصلاة مستقبل القبلة أو الماموميين فلم يكن ذلک من هديه ﷺ أصلاً و لا رُوی عنه باسناد صحیح و لا حسن (تحفة الاحوذی/۱۶۸)

چنانچہ اسی بنا پر حضرات غیر مقلدین فرض نمازوں کے بعد دعا کا انکار کرتے ہیں اور اس عملِ خیر سے محروم ہیں، لیکن غیر مقلدین کے بڑے درجے کے عالم شارح ترمذی صاحب تحفۃ الاحوذی علامہ مبارکپوریؒ نے ابن قیمؒ کا کلام نقل کرنے کے بعد تفصیلی کلام کیا ہے، جس میں ابن قیمؒ کا رد کیا ہے، اور پانچ معتبر حدیثیں ذکر کی ہیں، جن سے فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کا ثبوت ہوتا ہے، بلکہ ابن قیمؒ ہی کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ دوسرے موقع پر علامہ ابنِ قیمؒ نے بھی نماز کے بعد دعاؤں کو ذکر فرمایا ہے اور اخیر میں صاحبِ تحفۃ الاحوذی نے اپنا فیصلہ یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

میرے نزدیک راجح یہی ہے کہ نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں، علامہ کی عبارت درج ذیل ہے:

قلت لا ریب فی ثبوت الدعاء بعد الإنصراف من الصلاة المكتوبة عن رسول الله ﷺ قولاً و فعلاً و قد ذکره الحافظ ابن القيم ايضاً فی زاد المعاد حيث قال فی فصل: ما كان رسول الله ﷺ يفعل بعد الفراغ من الصلاة. "أما الدعاء بعد السلام من الصلاة مستقبل القبلة أو المأمومين فلم يكن ذلک من هديه ﷺ لا أدری ما معناه و ما مراده بهذا؟

القول الراجح عندی أن رفع اليدين فی الدعاء بعد الصلاة جائز لو فعله أحد لا بأس عليه إن شاء الله تعالىٰ. (تحفة الأحوذی: ۲/۱۶۸ و ۱۷۳)

دوسرے موقع پر علامہ مبارک پوریؒ نے ترمذی کی ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا نہ کرنے سے نماز ناقص ہوتی ہے۔ **(تقنع یدیک) أی ترفع بعد الصلوٰة یدیک للدعاء، من لم یفعل ذلک فهو خداج.** (تحفة الاحوذی: ۳/۳۲۷، ترمذی حدیث: ۳۸۳)

علامہ مبارک پوریؒ نے غیر مقلدین کے معروف مسلک اور ان کے طریقے کے خلاف احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ تحقیق ذکر فرمائی، لیکن شاید حضراتِ اہل حدیث غیر مقلدین کو اس کا علم نہیں۔ واللہ اعلم

(۲) اسی طرح حضراتِ غیر مقلدین کے نزدیک شعبان کی پندرہویں شب -جس کو شبِ براءت کہا جاتا ہے- کی کوئی اہمیت اور اس کی کوئی فضیلت نہیں، اس رات میں اہتمام سے جاگنے اور عبادت کرنے کو بدعت کہتے ہیں۔ اور جو لوگ اس کا اہتمام کرتے ہیں، ان پر نکیر کرتے ہیں اور رسائل و اشتہارات میں اس کو بدعت لکھتے ہیں۔ لیکن انھیں غیر مقلدین کے پیشوا و مقتدا علامہ مبارک پوریؒ نے تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں شب براءت کی فضیلت سے متعلق ایک دو نہیں متعدد حدیثیں ذکر فرمائی ہیں اور اخیر میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ حدیثیں اُن لوگوں کے خلاف حجت ہیں، جو شعبان کی پندرہویں شب کی فضیلت کا انکار کرتے ہیں۔ **فهذه الأحادیث بمجموعها حجة علی من زعم أنه لم یثبت فی فضیلة لیلة النصف من شعبان شیئ.**

(تحفة الاحوذی: ۳/۳۶۷ باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان)

(۳) اسی طرح جمعہ کی نماز میں حالتِ تشہد میں امام کو پالینے سے جمعہ کی نماز پالینے والا سمجھا جائے گا یا نہیں؟

اکثر علماء، سفیان ثوری، عبد اللہ ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد و اسحاق انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بعد السلام اس کو ظہر کی چار رکعت پڑھنی پڑیں گی، لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قعدہ میں امام کو پا لینے سے بھی وہ جمعہ کی نماز کو پالے گا، اور بعد السلام جمعہ کی صرف دو رکعت ادا کرے گا۔ علامہ مبارک پوری نے اکثر ائمہ کے خلاف واضح طور پر امام ابو حنیفہؒ کی رائے کو اختیار فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: **والأصح عندی ماذهب إليه أبو حنيفة من أن من أدرک مع الامام شيئا من صلاة الجمعة ولو فی التشهد يصلی ما أدرک معه ويتم الباقی ولا يصلی الظهر.**

(تحفة الاحوذی: ص ۵۱ ج ۳)

(۴) اسی طرح حضراتِ غیر مقلدین کا یہ مسلک مشہور ہے کہ خروجِ ریح سے وضو اس وقت ٹوٹتا ہے، جب اس میں آواز ہو یا بدبو ہو، ورنہ بغیر بدبو اور بغیر آواز کے جو ریح خارج ہو وہ ناقضِ وضو نہیں، کیوں کہ حدیثِ پاک میں آیا ہے: **فلا یخرج حتی یسمع صوتا أو يجد ريحاً"**

لیکن علامہ مبارک پوریؒ نے اس کی شرح میں غیر مقلدین کے مشہور مسلک کے خلاف شرح السنۃ کے حوالے سے واضح طور پر تحریر فرمایا ہے کہ اگر خروجِ ریح کا یقین ہو جائے خواہ بدبو ہو یا نہ ہو، آواز ہو یا نہ ہو بہر حال وضو ٹوٹ جائے گا۔

قال فی شرح السنة معناه حتی يتيقن الحدث لا لأن سماعت الصوت أو وجدان الريح شرط...... الی أن قال وينتقض طهره اذا تيقن الحدث

(تحفۃ الاحوذی ص ۲۰۸ ج ۱)

(۵) حضراتِ غیر مقلدین کے یہاں خفین یعنی چمڑوں کے موزوں کے علاوہ

جوربین اور سادے موزوں پر بھی مسح کرنے کی گنجائش ہے اور ان کا معمول بھی ہے، احناف اس کو منع کرتے ہیں اور کچھ شرطوں کے ساتھ اس کی اجازت دیتے ہیں، جو حضرات مطلقاً جوربین پر مسح کی اجازت دیتے ہیں، وہ مسند احمد کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں، لیکن صاحب تحفۃ الاحوذی علامہ مبارک پوریؒ نے اس مسلک کے خلاف اسی مسلک کو اختیار کیا اور اُسی کو راجح قرار دیا ہے، جس کو احناف نے اختیار کیا ہے، اور احناف نے جن شرطوں کے ساتھ جوربین پر مسح کرنے کی اجازت دی ہے، انھیں شرطوں کو علامہ مبارک پوریؒ نے بھی ذکر فرمایا ہے، اور جو لوگ مسند احمد کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، ان کی تردید فرمائی ہے۔

وأما اذا كانا رقيقين بحيث لايستمسكان على القدمين بلا شدّ ولايمكن المشي فيهما فهما ليسا في معنى الخفين وفي جواز المسح عليهما عندي تأمل۔ (تحفۃ الاحوذی باب ماجاء فی المسح علی الجوربین ۱/ ۲۸۶، ۲۸۷)

یہ چند مثالیں احقر نے تتمیم فائدہ اور مزید معلومات کی غرض سے عرض کی ہیں، ورنہ اصل مضمون یہ چل رہا تھا کہ حضرات محققین ومحدثین کی شان یہ ہے کہ ان کی تحقیق کے مطابق اگر ان کے اکابر واسلاف یا ان کے مسلک یا امام کی بات مرجوح ہو اور شرعی دلیل سے اس کے خلاف ان کے نزدیک راجح ہو، تو وہ ایسے وقت میں مسلکی تعصب سے بلند و بالاتر ہو کر علمی دیانت کے تقاضے کے مطابق اپنی رائے کو ظاہر فرما دیتے تھے، الحمد للہ ہمارے اکابر ایسے ہی تھے، جس کی کچھ مثالیں ماقبل میں ذکر کی گئیں۔ ہمارے شیخ مولانا محمد یونس صاحبؒ کا بھی یہی حال تھا، جس کی متعدد مثالیں مستقل مضمون میں بھی انشاءاللہ کسی موقع سے عرض کی جائیں گی۔

حضرت شیخؒ کے مسلک کا خلاصہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونسؒ کی تقریرات وتحریرات کو دیکھ کر واضح طور پر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ آپ اپنے اکابر و اساتذہ کے نقش قدم پر ایمانیات، عبادات، معاملات، معاشرت وغیرہ سے متعلق تمام مسائل میں اصلا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد اور متبع تھے، زندگی کے تما شعبوں میں حنفی مسلک کے مطابق ہی ان کا عمل رہا، حنفی مسلک پر جن لوگوں نے اشکالات کیئے، آپ نے ان کے جوابات بھی تحریر فرمائے جس میں حنفی مسلک کو مدلل فرمایا جس کی متعدد مثالیں ماقبل میں گزر چکیں، البتہ بعض مسائل میں مثلا حدیث مصّرات سے متعلق مسئلہ یا اسی نوع کے بعض مسائل میں تحقیق کی بنیاد پر آپ نے حنفی مسئلہ کے مقابلے میں دوسرے مسلک کو راجح قرار دیا آپؒ کی جملہ تقریرات وتحریرات اور حضرت کی پوری زندگی کو دیکھ کر خلاصہ کے طور پر چند باتیں آپ کے متعلق سمجھ میں آتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) خروج عن اختلاف العلماء کی کوشش

اولاً آپ خروج عن اختلاف العلماء کی کوشش فرماتے تھے یعنی ایسے طور پر عمل کرتے جس سے تمام مسالک پر عمل ہو جائے، کسی مذہب کی مخالفت لازم نہ آئے، جو خاص ذوق تھا حضرت مجدد الف ثانیؒ کا، چنانچہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے حضرت مجدد صاحب کے متعلق نقل فرمایا ہے کی حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں: ”چونکہ میں مذاہب کے جمع کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ الخ“

(تاریخ دعوت وعزیمت ص ۱۶۶ ج ۴ جدید)

ٹھیک یہی ذوق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کا بھی تھا، چنانچہ حضرت کے بعض سوانح نگاروں نے اس کی صراحت بھی فرمائی ہے، حضرت شیخؒ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد یوسف دامت برکاتہم ٹنکاروی تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت فرماتے تھے کہ میں عموماً خروج عن الخلاف کی کوشش کرتا ہوں کہ میرا عمل ہر امام کے مسلک کے مطابق درست ہو، اور خروج عن الخلاف کی صورت اختیار کرنا تو مستحب و مستحسن ہے، اس میں کس کو اختلاف ہے۔“

(فیضان اسلاکا خصوصی شمارہ اکتوبر تا مارچ ۲۰۱۸؁ ص ۳۳۰)

ہمارے حضرت شیخؒ نے جو طرز اختیار فرمایا تھا ہمارے فقہاء نے بھی ایسی رعایت کو افضل قرار دیا ہے مثلاً امام احمد ابن حنبلؒ کے یہاں اونٹ کا گوشت کھانا ناقض وضو ہے، اور امام شافعیؒ کے یہاں مس مرأۃ ناقض وضو ہے، اور احناف کے یہاں دونوں ناقض وضو نہیں، لیکن فقہائے احناف فرماتے ہیں کہ خروج عن اختلاف العلماء یعنی علماء کے اختلاف سے نکلنے کے لئے اونٹ کا گوشت کھانے اور مسّ مرأۃ کے بعد بھی وضو کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔

فی الدر المختار لا ینقضه مسّ ذکر و امرأة لکن یندب للخروج من الخلاف لا سیّما للامام لکن بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروه مذهبه (درمختار شامی ص ۲۷۸ ج ۱، مالا بدمنہ فارسی ص ۱۶)

یعنی خروج عن اختلاف العلماء میں بھی آپ کا عمل حنفی مسلک کے مطابق تھا۔

(۲) امام کی تقلید میں غلو سے انحراف

بے شک آپ اپنے اکابر کے نقش قدم پر حنفی مسلک کے پیروکار تھے لیکن اپنے امام کی تقلید میں آپ کو غلو نہ تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کی تحقیق کے مطابق کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا قول مرجوح یا خلاف حدیث ہے تو آپ امام صاحب کے مسلک کے خلاف حدیث کا اتباع فرماتے تھے اور اس میں آپ ہی کی خصوصیت نہیں الحمد اللہ ہمارے دیگر اکابر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ، حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگیؒ بھی اسی روش پر قائم تھے، جسکی کچھ مثالیں ماقبل میں گزر چکیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونسؒ بھی اسی روش پر قائم تھے، لیکن ان کی ان تحقیقات وترجیحات یا تفردات کے بنا پر آپ کو دائرہ تقلید یا حنفیت سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

”شاہ ولی اللہ اتنے بڑے محقق ہیں کہ بعض لوگوں نے ان کو غیر مقلد سمجھ لیا کہ وہ تقلید نہ کرتے تھے، مگر یہ غلط ہے، وہ مقلد ہی ہیں مگر مقلد محقق ہیں، لکیر کے فقیر نہیں، تقلید و تحقیق کے بھی مراتب ہیں کہ بعض مقلد محض ہیں، بعض محقق محض یعنی مجتہد ہیں، اور بعض مقلد محقق ہیں، تو شاہ صاحب مقلد محض نہ تھے، بلکہ مقلد محقق تھے اس لئے بعض کو ان پر غیر مقلدی کا شبہ ہوا“ (مجموعہ مواعظ حقوق الزوجین ص ۵۱۷)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب

سے بہت بڑے درجہ کے ہیں، حضرت تھانویؒ کے فرمان کے مطابق جب ان کی تحقیقات اور ترجیحات و تفردات کے بنا پر انکو تقلید سے خارج نہیں کیا جا سکتا تو شیخ الحدیث مولانا محمد یونسؒ کو انکی تحقیقات یا تفردات کی بنا پر غیر مقلد کیسے کہا جا سکتا ہے، حضرت تھانویؒ کے مذکورہ بالا ارشاد کے مطابق زائد سے زائد آپ کو مقلد محقق ہی کہا جا سکتا ہے اور بس، واللہ اعلم۔

(۳) میں فقہ میں فقہائے متأخرین کا متبع نہیں ہوں

تیسری بات یہ کہ آپ اپنے امام صاحب کے مقلد تھے، متأخرین احناف کے جزئیات مستخرجہ کے آپ قائل نہ تھے بلکہ اس سلسلے میں آپ کا وہی نقطہ نظر تھا جو علامہ سید سلیمان ندویؒ کا تھا وہ اپنے متعلق فرماتے ہیں:

”میں فقہ میں متأخرین کا متبع نہیں“ (تذکرۂ سلیمان ص ۱۰۳)

ہمارے حضرت شیخؒ بھی فقہائے متأخرین کے بہت سے جزئیات مستخرجہ پر مطمئن نہ ہوتے تھے بلکہ بسا اوقات ان پر نقد بھی فرماتے تھے، احقر نے درمختار اور رسم المفتی حضرت شیخؒ سے پڑھی ہے درمختار میں بکثرت فقہائے متأخرین کے ایسے جزئیات منقول ہیں جن کی کوئی سند اور پختہ دلیل نہیں اس لئے حضرت ایسی باتوں کو تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ تدریس کے وقت ایسے جزئیات پر آپ نقد فرماتے تھے، مثلاً درمختار میں لکھا ہے:

”مسواک دھو کر رکھے ورنہ شیطان مسواک کرتا ہے، اور مسواک ایک بالشت سے

بڑی نہ ہونی چاہئے ورنہ اس پر شیطان سوار ہوتا ہے، مسواک کو لٹا کر نہ رکھے بلکہ کھڑا رکھے ورنہ جنون پیدا ہو جائے گا، مسواک کو چوسے نہیں ورنہ اندھا ہو جائیگا''

في الدر المختار ولا يمصّه فانه يورث العمى ثم يغسله و إلا فيستاك الشيطان ، ولا يزاد على الشبر وإلا فالشيطان يركب عليه ، ولا يضعه بل ينصبه وإلا فخطر الجنون (درمختار شامی ص ۸۵ ج ۱)

الغرض حضرت شیخؒ فقہاء کی اس طرح کی باتوں کو قبول نہیں فرماتے بلکہ ان پر نقد فرماتے تھے کہ یہ سب باتیں بے دلیل ہیں، اور بعض لوگوں نے ایسی باتوں کے جو دلائل لکھے ہیں حضرت ان کو ناکافی سمجھتے تھے۔

حضرتؒ کے ملفوظات میں ہے:

''متأخرین کی تخریجات ہمارے یہاں غیر معتبر ہیں، میں تو ان کتابوں پر زیادہ نظر نہیں کرتا، بلکہ سیدھے مبسوط سرخسی دیکھتا ہوں، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے یہاں بھی متأخرین فقہاء کی تخریجات حجت نہیں تھیں، یہ مطلب بھی نہیں کہ ان کی ساری تخریجات غلط ہوں، بعض مقامات میں چوک ہوگئی ہے''

(علمی واصلاحی ارشادات: حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ، مرتبہ محمد زید مظاہری ندوی)

(۴) ضرورت کے وقت دوسرے ائمہ کی تقلید

چوتھی بات یہ کہ حنفی المسلک ہونے کے باوجود ضرورت اور اعذار کے وقت آپ دوسرے ائمہ کی بھی تقلید فرمالیا کرتے تھے، مثلاً عشا کی نماز آپ ہمیشہ حنفی

مسلک کے مطابق باجماعت پڑھتے تھے لیکن اخیر عمر میں مختلف اعذار کی وجہ سے شفق اول میں پڑھنے لگے تھے کہ خود احناف کا بھی ایک قول اس کے مطابق ہے، اسی طرح حالت سفر میں آسانی کے لئے آپ جمع بین الصلاتین بھی کیا کرتے تھے، جس کی اجازت خود فقہائے احناف نے بھی ضرورت کے وقت دی ہے، چنانچہ طحطاوی علی مراقی الفلاح، شامی قبیل باب الاذان وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے،

فی الدر المختار ولا جمع بین فرضین فی وقت بعذر سفر ومطر خلافا للشافعی، ولا بأس بالتقلید عند الضرورۃ کمافی البحر والنہر۔

(درمختار مع شامی قبیل باب الاذان ص۲۴۶ ج ۲، طحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۱۰۳، اعلا السنن: ص ۱۰۰، ج ۲)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جمع بین الصلاتین کے تعلق سے اپنے فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں:

”البتہ ضرورت شدیدہ میں تقلیداً للشافعی جمع کرلینا مع شرائط مقررہ مذہب شافعی جائز ہے۔ **ولا بأس بالتقلید عند الضرورۃ، در مختار فی بحث الجمع واللہ اعلم**“ (امداد الفتاوی: ۸۳، ج: ۵)

الغرض ضرورت کے وقت آپ دوسرے مسلک پر بھی عمل کرلیا کرتے تھے، فقہائے احناف نے اور ہمارے اکابر نے بھی اس کی اجازت دی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۵) میں حنفی المسلک ہوں لیکن مقلّد جامد نہیں

اپنے متعلق حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے، خود احقر کے سامنے بھی ایک مرتبہ فرمایا:

”میں بھی حنفی ہوں لیکن تم لوگوں کی طرح مقلد جامد نہیں ہوں“

نیز متعدد مرتبہ آپ نے درس بخاری میں دارالحدیث میں تمام طلبہ کے سامنے اس حقیقت کا اظہار فرمایا کہ میں حنفی المسلک ہوں، چنانچہ ایک موقع پر ایک بحث کے ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں:

''یہ ایک مسلم حقیقت ہے اور میں انصاف کے ساتھ کہتا ہوں اگر چہ میں حنفی المسلک ہوں الخ'' (الفیض الجاری فی دروس البخاری آخری جلد ص ۳۲۱ مطبوعہ گجرات)

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم جو ماشاء اللہ ابھی بقید حیات ہیں انہوں نے احقر کے سامنے بیان فرمایا کہ:

''میں حرم پاک میں موجود تھا شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحبؒ تشریف لائے میں کھڑا ہوگیا اور مصافحہ کیا دوران گفتگو حضرت شیخ نے فرمایا کہ:

''میں حنفیوں سے تو ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتا ہوں لیکن اہل حدیث کے سامنے کٹر حنفی بن کران سے دو ہاتھ سے مصافحہ کرتا ہوں''

آگے حضرت مولانا عبداللہ صاحب دامت برکاتہم نے یہ بھی فرمایا کہ: اس بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب کے بعض تفردات کی وجہ سے لوگ انکو سلفی اور غیر مقلد سمجھنے لگے ہیں، اس لئے اس کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ (الحمد اللہ اس رسالہ سے یہ ضرورت پوری ہورہی ہے)

عمدۃ القاری کے مقابلہ میں فتح الباری کی ترجیح

بعض موقعوں میں آپ نے علماءِ احناف کی لکھی ہوئی شروحِ حدیث کے مقابلے میں دوسرے شرّاح کو ترجیح دی اور فوقیت بیان فرمائی، مثلاً شروحِ بخاری میں علامہ عینی حنفی کی

عمدۃ القاری کی طرف آپ زیادہ اعتنا نہیں فرماتے تھے، اکثر فتح الباری اور حافظ ابن حجرؒ کے ہی گن گاتے تھے، اس سے بھی لوگوں کو شبہات ہونے لگے، لیکن واضح رہے کہ یہ چیز خالص علمی وذوقی ہے، حضرت شیخؒ کا ذوق یہ تھا جس کا وہ اظہار فرماتے تھے، دوسرے محققین کا ذوق اس سے مختلف تھا، مثلاً فخر ندوۃ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

”ابن ہمام کی کتابیں اور ابن الترکمانی علی البیہقی بھی دیکھیے، فتح الباری اور عینی میں غور کیجیے، ابن حجر میں بے شبہ وسعت ہے، مگر عمق نہیں، عینی میں عمق ہے۔

(مکاتیب سید سلیمان/ ۲۲۹)

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ذوق کے مطابق علامہ عینی کی عمدۃ القاری فتح الباری کے مقابلے میں فائق ہے، یہ اپنے اپنے علمی ذوق ومناسبت کی بات ہے۔ واللہ اُعلم۔ الغرض احقر کی ناقص رائے اور فہم کے مطابق حضرت شیخؒ اپنے اکابر کے مسلک پر تھے اور اصلاً امام ابوحنیفہ ہی کے مقلد تھے، اور بعض مسائل میں دلائل کی بنیاد پر حنفی مسلک سے اختلاف بھی فرمایا کرتے تھے۔ واللہ اعلم

ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ

بہت سے اصحاب علم اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ ابتدائی دور میں تو بے شک مقلد اور حنفی تھے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اخیر عمر میں آپ نہ مقلد رہے نہ حنفی، بلکہ سلفی اور اہل حدیث ہو گئے تھے، اور ان کو مقلد اور یا حنفی کہنے والے جتنے بھی دلائل وشواہد اور جتنے آثار وقرائن یا مؤیدات پیش کرتے ہیں سب شروع کے دور کے ہیں ورنہ عمر کے آخری سال میں آپکے اندر تبدیلی

آچکی تھی اور تقلید یا حنفیت سے بیزار ہو کر آپ اہل حدیث ہو گئے تھے، بعض اصحاب درس بڑی قوت سے اس کا اظہار کرتے ہیں جس کو سن کر بہت سے حضرات شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جس کا نقصان لوگوں کو یہ بھی پہونچ سکتا ہے کہ حضرت شیخؒ سے بدگمانی میں مبتلا ہو کر حضرت کے علمی افادات درس بخاری وغیرہ سے جس عقیدت وانشراح کے ساتھ فائدہ اٹھانا چاہئے نہیں اٹھا سکتے کیونکہ یہ سارے خیالات اسمیں رکاوٹ بن سکتے ہیں، اس لئے اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

کتنی واضح بات ہے کہ جب حضرت شیخؒ نے دلائل کی روشنی میں خود یہ اصول بیان فرمادیا کہ کسی شخص کے عقیدے ومسلک اور مشرب کو معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں ایک اسکی تحریرات دوسرے اسکے تلامذہ (جسکی تفصیل ماقبل میں گزر چکی) حضرتؒ کی تحریرات کو سامنے رکھتے ہوے ماقبل میں ایک درجن سے زائد مثالیں پیش گئی ہیں ان کی روشنی میں ہر شخص باسانی یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ ان متنازع فیھا مسائل میں حضرت شیخؒ نے حنفی مسلک کی پوری قوت سے تائید اور وکالت فرمائی ہے یا کسی اور دوسرے مسلک کی؟ اور ان سب کے متعلق یہ کہنا کہ یہ سب حضرتؒ کی ابتدائی دور کی باتیں ہیں، بعد میں آپ کے اندر تبدیلی آگئی تھی یہ دعوی بے دلیل اور بالکل باطل ہے، کیونکہ حضرت شیخؒ کی حنفی مسلک کے مطابق یہ تحقیقات وترجیحات اگرچہ ابتدائی دور کی لکھی ہوئی ہیں لیکن ان سب پر نظر ثانی وثالث اور مزید غور وخوض اور تحقیق وتدقیق سب اخیر عمر میں ہوا ہے، چنانچہ آپ کے مکاتیب علمیہ، الیواقیت الغالیہ کی متعدد جلدیں، نوادر الحدیث، نوادر الفقہ جو آپ کے اخیر عمر میں طبع ہوئی ہیں اور طباعت سے قبل آپ نے ان پر پوری تحقیق وتدقیق کے ساتھ نظر فرما کر اسکی تصویب فرمائی اور آپ ہی کی نگرانی میں ان کی اشاعت ہوئی، ان کے متعلق کسی

قسم کا شک وشبہ کرنا اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈالنا کہ یہ حنفی مسلک کی تائید ابتدائی دور کی ہیں بعد میں آپ ایسے نہ رہے تھے سو فیصد غلط اور حضرت شیخ پر اتہام والزام ہیں، اسلئے ہم پورے یقین وانشراح کے ساتھ کہتے ہیں کہ حنفی مسلک کی تائید میں آپ نے جو کچھ بھی تحریر فرمایا اس پر آپ پورے طور پر منشرح اور مطمئن تھے اور اخیر عمر میں ان کتابوں کے طبع ہو جانے کے بعد بھی یہ تحریرات آپ کی نظر سے بار بار گزریں لیکن آپ نے اپنی اس نوع کی کسی تحقیق وتحریر سے رجوع نہیں فرمایا حالانکہ اس وقت رجوع کرنا یا اس میں ترمیم کرنا بہت ممکن تھا، اس لئے تمام منتسبین اور تلامذہ سے گزارش ہے کہ اس نوع کی مختلف قسم کی باتوں کو سن کر خواہ وہ اصحاب علم ہی کی طرف سے کیوں نہ کہی گئی ہوں، ان کی وجہ سے خوامخواہ کے شکوک وشبہات میں مبتلا نہ ہو اللہ تعالی ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

چند ضروری تنبیہات

(۱) کسی فقیہ ومحدّث اور بزرگ کی بات بھی بغیر شرعی دلیل کے قابلِ قبول نہیں

بڑے سے بڑا فقیہِ وقت، محدث کبیر بھی اگر کوئی بات شرعی دلیل کے بغیر محض اپنے طبعی ذوق کی بنا پر کہے تو اس کا وہ درجہ ہرگز نہیں ہوسکتا، جو اُن باتوں کا ہوا کرتا ہے جو دلائل کی روشنی میں بیان کی جائیں، بڑی غلط فہمی لوگوں کو ایسے موقعوں میں یہ ہو جاتی ہے کہ کسی محقق بزرگ نے کوئی بات اپنے ذاتی رجحان اور طبعی ذوق سے فرمادی اس کو بھی ان کے معتقدین ومتوسلین شرعی دلیل کا درجہ دینے لگتے ہیں، یہ صحیح نہیں، کسی بزرگ اور محقق کی بات جب کہ وہ شرعی دلائل کے دائرے میں نہ ہو اس کا وزن اور اس کا درجہ وہ ہرگز نہیں ہو

سکتا جو مدلل باتوں کا ہوتا ہے، اس لئے اس حقیقت کو مدنظر رکھنا ہر وقت ضروری ہے کہ کسی محقق ومحدث اور کسی بزرگ وشیخ نے جو بات فرمائی ہے وہ طبعی ذوق کی بنا پر ہے یا شرعی دلائل کی بنا پر، اسی اعتبار سے اس کا درجہ متعین کیا جائے گا، ان کی ہر بات کو پختہ اور مضبوط نہ سمجھا جائے گا، بلکہ غیر مدلل باتوں کو غیر مدلل ہی سمجھا جائے گا، اور نہ ہی ان کے طبعی ذوق کو شرعی دلیل کا درجہ دیا جائے گا۔

اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب رمضان المبارک میں رات کے وقت بعد تراویح خصوصی مجلس میں حضرت مولانا کفایت اللہ صاحبؒ کے سامنے فرمارہے تھے کہ:

"اگر لوگ سورہے ہوں یا سونے کا وقت ہو اس وقت بھی ذکر جہری کرنے میں کیا حرج ہے، ذکر سے تو قلبی اطمینان حاصل ہوتا ہے، ذکر سننے سے تو اور نیند آتی ہے، میرے قریب کوئی ذکر کرتا ہے تو جلدی نیند آجاتی ہے۔"

حضرت نے یہ بات مولانا کفایت اللہ صاحب کے سامنے بیان فرمائی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ حضرت کی محض ذوقی اور طبعی چیز ہے، اس کو شرعی دلیل اور شرعی مسئلہ کے طور پر بیان نہیں کیا جاسکتا، شرعی مسئلہ تو وہ ہے جس کو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیان فرمایا ہے کہ لوگوں کے سونے کے وقت جہراً ذکر کرنا، تلاوت کرنا، دعا کرنا سب ممنوع ہے، جو کرنا ہو آہستہ کرے، جس سے لوگوں کی نیند خراب نہ ہو، چنانچہ مجلس ختم ہونے کے بعد حضرت اقدس شیخؒ کے جگری دوست مولانا کفایت اللہ صاحب نے اسی وقت احقر راقم الحروف سے فرمایا کہ:

"مولوی زید! شیخ کی اس بات کا اثر نہ لینا، یہ بات صحیح نہیں ہے، صحیح وہی ہے جس کو حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا ہے۔"

کسی فقیہ اور محدث کے بھی تفردات کا اعتبار نہیں

(۲) اسی طرح ایک اہم بات قابلِ لحاظ یہ بھی ہے کہ بڑے سے بڑے کسی فقیہ و محدّث کے جو تفردات ہوتے ہیں، ان کی ہزار حرمت و عظمت کے باوجود آنکھ بند کر کے قبول نہیں کیے جا سکتے ، بلکہ بہت سے اکابر محققین کے تفردات کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن الھمامؒ کے بہت سے مسائل میں تفردات معروف و مشہور ہیں، لیکن شیخ ابن ہمامؒ ہی کے شاگرد قاسم بن قطلو بغا، علامہ حلبیؒ نے اپنے شیخ کے تفردات قبول کرنے سے انکار فرما دیا، بلکہ بہت سے موقعوں میں اس کا رد بھی لکھا۔ چنانچہ علامہ شامیؒ نقل فرماتے ہیں:

”قال العلامة قاسم فی حق شیخه خاتمة المحققین الکمال ابن الهمام لا یعمل بابحاث شیخنا التی تخالف المذهب. (رسم المفتی ص ۶۸، مطبوعہ سہارنپور)

خصوصاً اگر مستفتی اور سائل کسی امام کا مقلد اور متبع ہو، اس کے سوال کے جواب میں اس کے مسلک کے مطابق جواب نہ دے کر اپنی تحقیق کے مطابق جواب دینا یا فتویٰ دینا جائز نہیں، بلکہ اگر کبھی ایسی ضرورت پیش بھی آ جائے، تو صاف طور پر اس کی وضاحت کرنا ضروری ہے، مثلاً یہ کہ حنفی مسلک تو یہ ہے، لیکن میری رائے اس سلسلہ میں یہ ہے کما صرح به الفقهاء اس کے خلاف کرنا جائز نہیں، کیوں کہ سائل و مستفتی حنفی مسلک کا پابند ہے، اور وہ اسی مسلک کے مطابق سوال کا جواب طلب کرتا ہے، اس لئے مفتی پر لازم ہے کہ اس مسلک کے مطابق ہی اس کا جواب دے جس مسلک کا وہ پابند ہے، دیانت داری کا تقاضہ یہی ہے۔

حضرت شیخؒ کے علمی تبرکات

درس بخاری اور علمی مکتوبات وملفوظات

تصنیف وتالیف اللہ کی بڑی نعمت ہے اس کو اس امت کی خصوصیات میں شمار کیا گیا ہے، ہمارے تمام اکابر علماء ومشائخ نے ہمیشہ اس کا بہت اہتمام کیا ہے، کیوں کہ اس کا نفع متعدی اور باقی رہنے والا ہوتا ہے، صدقۂ جاریہ کی اس کو بہترین قسم قرار دیا گیا ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور دوسرے حضرات نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ ائمۂ مجتہدین حضرت امام ابوحنیفہؒ وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے جتنے مسائل میں اجتہاد و استنباط کیا، نماز، روزہ اور دیگر عبادات ومعاملات کے جتنے مسائل مستنبط کر کے بیان کئے اور ان کے شاگردوں کے ذریعہ تصنیف وتالیف کے واسطہ سے امت تک پہنچے اور سارے عالم کے مختلف خطوں میں لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں اس کے مطابق جتنے لوگ بھی عمل کر رہے ہیں، ان لاکھوں کروڑوں کی نیکیوں، عبادتوں، ان کے رکوع وسجود کا ثواب روزانہ ان ائمۂ مجتہدین کو پہنچتا ہوگا، جنہوں نے اجتہاد کر کے احکام شرعیہ امت کے سامنے بیان کیے، اسی طرح ان اجتہادی مسائل کے مبلغین ومؤلفین کو بھی پہنچتا ہوگا، جنہوں نے تدریس وتصنیف کے ذریعہ امت تک وہ احکام پہنچائے، صدقۂ جاریہ کا یہ ایسا مفید سلسلہ ہے کہ بڑے بڑے فقہاء ومحدثین اور کبار اولیاء ومشائخ اس کی تمنا کرتے تھے کہ ان کو بھی تصنیف وتالیف کی سعادت نصیب ہو جائے، جو ان کے لئے صدقۂ جاریہ کا باعث ہو۔

(۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کا شروع ہی سے مزاج علمی و

تحقیقی اور تصنیفی رہا ہے، آپ کے پاس مختلف موضوعات سے متعلق علمی سوالات آتے تھے، آپ ان کے تحقیقی جوابات اتنی تفصیل سے تحریر فرمایا کرتے تھے جو مستقل تصانیف و رسائل کا درجہ رکھتے ہیں، مثلاً نصف شعبان کے روزہ اور شب براءت کے متعلق آپ سے سوال کیا گیا، آپ نے اس کا جو جواب تحریر فرمایا وہ بڑے سائز کے ۴۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ (ملاحظہ ہو نوادر الحدیث ص ۲۱۵ تا ۲۶۰، مرتبہ راقم الحروف)

اسی طرح حضرت کے بکثرت مضامین و مقالات ہیں، جو مستقل تصنیف اور رسائل کا درجہ رکھتے ہیں، احقر نے ارادہ کیا ہے کہ حضرت اقدس کے اس طرح کے تمام علمی مقالات جو رسائل کا درجہ رکھتے ہیں ان کو مستقلاً ''مجموعہ رسائل شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحبؒ'' کے نام سے شائع کر دیا جائے، قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔

اسی طرح حضرت نے حدیث وفقہ کی متعدد کتابوں اور ان کے مصنّفین کے احوال کے متعلق مختلف مضامین و مقالات لکھے تھے، مثلاً مقدمۂ ہدایہ، مقدمۃ المشکوٰۃ، مقدمۃ البخاری، مقدمۃ ابو داود، نسائی شریف، مسلم شریف وغیرہ نیز کبارِ مصنفین کے احوال بھی تحریر فرمائے اور کتاب کی خصوصیات اور مباحث پر بھی روشنی ڈالی۔

(۲) اسی طرح دورانِ درس بخاری کوئی علمی مبحث آ گیا تو آپ اپنی عادت کے موافق سرسری طور پر نہ گزر جاتے، بلکہ اس کے تمام متعلقات کو جمع فرما کر تحقیق فرما کر پوری بحث فرماتے، اور اس سلسلہ میں جو آپ کے مطالعہ کا نتیجہ اور ثمرہ ہوتا اس پوری بحث کو آپ قلم بند فرما لیتے، چنانچہ مختلف مباحث سے متعلق متعدد اجزاء و رسائل تیار ہو گئے تھے، مثلاً جزء فاتحہ خلف الامام، جزء رفع الیدین وغیرہ۔ اگر ان اجزاء کو بھی علیحدہ یا یکجا شائع کر دیا جائے، تو اہل علم کے لئے بڑی مفید اور کام کی چیز ہوگی۔

(۳) حضرت شیخؒ نے اپنے بعض اکابر و مشائخ اور اساتذہ کے احوال بھی تحریر فرمائے ہیں، مثلاً شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب، حضرت مولانا امیر حسن صاحب وغیرہ۔ ان میں احقر کو جو دستیاب ہو سکے اپنی ترتیب دی ہوئی کتاب ''نوادر الحدیث'' میں ان کو بھی شامل کرلیا ہے، اکابر کے حالات پر مشتمل یہ مجموعہ علیحدہ رسالہ کی شکل میں شائع کیا جا سکتا ہے، جس سے اس کی افادیت بھی بڑھ سکتی ہے۔

تعلیقات بخاری و مسلم

حضرت شیخؒ کے مآثرِ علمیہ میں غالباً سب سے زیادہ وقیع اور قیمتی چیز آپ کی وہ تعلیقات اور حواشی ہیں جو برسہا برس کے مطالعہ اور تحقیق کے بعد آپ اپنی بخاری شریف جو آپ کے زیر مطالعہ رہتی تھی، اس کے حاشیہ یا بین السطور میں تحریر فرمایا کرتے تھے، اور ہر سال دورانِ مطالعہ اس میں اضافہ ہوتا رہتا تھا، بالآخر کتاب کے حاشیہ میں جگہ نہ رہی تو اپنی کتاب کو اس طرح مجلد کروا کر کتاب کے ہر صفحے کے بعد ایک سادہ صفحہ بھی لگایا، جس پر حاشیہ لکھنا آسان ہو، جب کہ بہت سے اضافات علیحدہ کاغذ اور پرچیوں میں بھی لکھے ہوئے تھے، ان تعلیقات و حواشی میں ایسے فنّی مباحث اور علمی تحقیقات ہیں کہ ہزاروں صفحات کی ورق گردانی کے بعد بھی ان تک رسائی مشکل سے ہو سکتی ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ آپ کی زندگی بھر کے مطالعے اور تحقیقات کا نچوڑ ہیں، اس میں مذاہب کی تنقیح اور دلائل کی روشنی میں کسی ایک مسلک کی ترجیح بھی ہے، نیز احادیث کی تشریح اور دیگر شراح حدیث پر نقد و تبصرہ بھی ہے، لیکن نہایت اختصار اور ادب کے ساتھ، اور ہر بات نہایت محقق و مدلل حوالہ کے ساتھ۔

ان حواشی کی اہمیت وخصوصیت کی بنا پر حضرت اقدسؒ خود بھی اس کے خواہش مند تھے کہ یہ حواشی بخاری شریف کے ہر باب اور اس سے متعلق ہر حدیث کے تحت مرتب ہو جائیں، چنانچہ کئی سالوں سے آپ اس کی ترتیب وتسوید میں لگے ہوئے تھے، دورانِ ترتیب کسی بحث کے ضمن میں کوئی ایسا گوشہ آجاتا جس میں مزید تحقیق کی ضرورت پیش آتی ، اس کے لئے آپ دسیوں کتابوں کو کھنگالتے ، معمولی حذف واضافہ یا حوالہ کی تحقیق کے لئے بھی دسیوں کتابوں کو پھر سے دیکھتے، اس طرح پوری تحقیق کے ساتھ تعلیقاتِ بخاری پر کام جاری تھا، اور ساتھ ہی ساتھ کمپوزنگ کا سلسلہ بھی جاری تھا، حضرتؒ کے نزدیک اس کام کی اتنی اہمیت تھی کہ اس کی وجہ سے بسا اوقات دوسرے معمولات میں بھی اختصار فرما دیا کرتے تھے، الحمدللہ بخاری شریف جلد اول کی کتاب الایمان، کتاب العلم، کتاب الطھارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصیام، کتاب الحج تک یہ کام جس ترتیب سے حضرت چاہتے تھے پورا ہوگیا، حضرت فرمایا کرتے تھے اس کام کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی ہے جتنی مہلت مل جائے، چنانچہ زندگی کے آخری ایام تک آپ اسی کام میں لگے رہے، اور اب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اس کام کی تکمیل کی سعادت حضرت کے تلامذہ کو حاصل ہو، کام کرنے کے لئے حضرت کے کام کے نہج اور ترتیب کو سمجھنے کے لئے نمونہ بہت کافی موجود ہے۔

الحمدللہ حضرت کے لائق تلامذہ بڑی تعداد میں ملک وبیرون ملک میں پھیلے ہوئے ہیں، خود مظاہر علوم سہارنپور میں حضرت کے ایسے تلامذہ ہیں، جو اس کام کو انجام دے سکتے ہیں، لیکن یہ ایسی بڑی سعادت ہے جو اللہ کے فضل اور اس کی مشیت کے بغیر کسی کو حاصل ہو نہیں سکتی۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ الحمدللہ حضرت کے لائق اور مختار تلامذہ میں

سے جناب مولانا محمد ایوب صاحب سورتی لندنی، حضرت شیخؒ کو جن پر اعتماد بھی تھا، احقر کی معلومات کے مطابق انہوں نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا ہے، اس کی پہلی جلد "النبراس الساری فی شرح البخاری" حضرت کی حیات میں طبع ہوکر منظر عام پر آچکی تھی، جس کو دیکھ کر حضرت کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئی تھیں، الحمد للہ اب اس کی دوسری جلد بھی آچکی ہے، بلاشبہ جناب مولانا محمد ایوب سورتی صاحب نہ صرف حضرت شیخ کے تلامذہ بلکہ تمام اصحاب علم واساتذۂ حدیث کی طرف سے شکریہ اور دعا کے مستحق ہیں کہ اس خدمت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو قبول فرمایا اور ماشاء اللہ پوری توجہ اور فکر کے ساتھ وہ اس میں لگے ہوئے ہیں، امید ہے کہ اس کی بقیہ جلدیں یعنی پوری بخاری شریف پر حضرت شیخؒ کے لکھے ہوئے حواشی اور تعلیقات مولانا موصوف کی محنت اور کوشش سے منظر عام پر آئیں گی، یقیناً یہ تعلیقات حدیث پاک کا درس دینے والوں خصوصاً بخاری ومسلم پڑھانے والوں کے لئے نہایت قیمتی تحفہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے فیض کو عام وتام فرمائے، اور مولانا موصوف کی عمر میں برکت عطاء فرمائیں۔

حضرت شیخؒ کا درس بخاری

حضرت شیخؒ کے باقیات صالحات میں نہایت قیمتی اور مفید چیز آپ کا درس بخاری بھی ہے، تقریباً نصف صدی تک آپ بخاری کا درس دیتے رہے، اس مدت میں آپ کے ہزاروں طلبہ نے آپ کا درس بخاری ضبط کیا، خود احقر کی زمانۂ طالب علمی میں احقر کے رفقاء درس میں متعدد لوگوں نے ضبط کیا، اور خود احقر نے بھی ضبط کیا، لیکن درجہ میں حضرت کی تقریر ضبط کرنے پر خواہ کوئی کتنا ہی مشّاق کیوں نہ ہو، پوری بات حضرت کے الفاظ میں

ضبط کر لینا مشکل ہوتا ہے، اس لئے قابل اعتماد درس وہی ہوتا ہے، جو ریکارڈ کے بعد ٹیپ رکارڈر وغیرہ کی مدد سے لفظ بلفظ نقل کیا جائے، اور جس میں حضرت کی پوری بات آجائے، حضرت شیخؒ خود بھی چاہتے تھے کہ یہ علمی تحقیقات جو دورانِ درس آجاتی ہیں، محفوظ ہو جائیں، تو طلبہ کو اس سے فائدہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بھی جناب مولانا محمد ایوب صاحب (شیخ الحدیث فلاحِ دارین ترکیسر، گجرات) اور جناب مولانا محمد حنیف صاحب دامت برکاتھم (شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڈ، گجرات) کو نصیب فرمائی چنانچہ انہوں نے محنتِ شاقہ برداشت کر کے حضرت کی تقریرِ بخاری کو حضرت ہی کے الفاظ میں تحریر میں لانے اور مرتب کرنے کا پورا اہتمام کیا، الحمد للہ بخاری شریف کے آخری حصہ کی تقریر "کتاب التوحید" کے نام سے حضرت کی حیات ہی میں منظر عام پر آچکی ہے، باقی کام تیزی سے جاری ہے، تا دمِ تحریر الحمد للہ اس کی مزید دو جلدیں "الفیض الجاری فی دروس البخاری" کے نام سے آچکی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائے، بلاشبہ تمام اہل علم خصوصاً اساتذۂ حدیث کے لئے یہ نہایت قیمتی تحفہ ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا محمد حنیف صاحب دامت برکاتھم کا مرتب کردہ درسِ بخاری جس میں مولانا نے محنتِ شاقہ برداشت کر کے حوالوں کی تخریج وتحقیق اور تعلیق کا کام کر کے اس کو مزید مفید بنا دیا، جس کی پہلی جلد الحمد للہ جلد ہی منظرِ عام پر آرہی ہے، اور انشاء اللہ اسی ماہ میں ہونے والے عظیم الشان پروگرام میں (جو شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحبؒ کی مناسبت سے منعقد کیا گیا ہے) اس کا رسمِ اجراء ہوگا، اسی انداز پر انشاء اللہ اس کی آگے بھی جلدیں آئیں گی، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے۔

حضرتؒ کے درس بخاری میں یوں کہنا چاہیے کہ حضرت کے پورے مطالعہ کا حاصل اور آپ کی پوری محنت کا خلاصہ سامنے آجاتا ہے، کسی بھی فنی، فقہی، کلامی بحث سے متعلق اس کے تمام گوشوں پر نظر رکھنے کے ساتھ دلائل کی روشنی میں تمام مذاہب کے تقابل اور دلائل کے تجزیئے کے بعد جو بات حضرت کے نزدیک راجح ہوتی، آپ اس کو پوری دیانت وعدالت کے ساتھ دلائل کی روشنی میں بیان فرمادیتے تھے، حضرت کی پوری تحقیقات کا خلاصہ آپ کا درس بخاری ہے، جس میں کسی مسئلہ سے متعلق یکجا اتنا مواد اور دلائل مل جاتے ہیں، جو کافی بحث کے بعد بھی کسی باحث کو مشکل سے ملیں گے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے، اور اس کے نفع کو عام وتام فرمائے اور کام کرنے والوں کو ہم سب کی طرف سے جزاءِ خیر نصیب فرمائے۔

احقر حضرت شیخؒ سے مختلف اوقات میں درخواست کرتا رہتا تھا کہ حضرت کی تقریر بخاری منظر عام پر آجائے تو اس سے لوگوں کو بہت فائدہ ہوگا، احقر نے اس سلسلہ میں کچھ کوششیں بھی کیں، مظاہر سے فراغت کے بعد جب احقر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں زیر تعلیم تھا، اس وقت بھی یہ کوشش جاری رہی، ندوۃ العلماء ہی سے اس سلسلہ میں حضرت کی خدمت میں ایک خط لکھا، حضرت نے اس کا مندرجۂ ذیل جواب تحریر فرمایا:

> ”حضرت مولانا مدظلہ (حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ) سے ملاقات واستفادہ اور ان کی خدمت میں حاضری کی خبر سے بے حد خوشی ہوئی، میں اپنی تقریر کے بارے میں کیا کروں اور کیا کہوں، جو اللہ مقدر کرے گا میسر ہوگا، تمہارے صلاح وفلاح کی دعا کرتا ہوں، میرے لیے تم بھی دعا کرتے رہو، ظاہری وباطنی امراض سے شفا اور فلاح دارین کے لئے، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے بشرط

سہولت سلام مسنون و درخواست دعا ہے۔‘‘

(نوادر الفقہ ص: ۱۸۴ مرتبہ محمد زید مظاہری، ندوی)

حضرت کی اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خود بھی اس بات کو بھی پسند فرماتے تھے کہ طلبہ اور اہل علم کے فائدے کے لئے بخاری کا درس مرتب ہو جائے تو بہتر ہے، لیکن اس وقت اس کی کوئی صورت نہ بن سکی، حضرت کی وفات کے بعد الحمدللہ آپ کی خواہش کے مطابق اب تیزی سے کام جاری ہے۔

حضرت شیخؒ کے مکاتیب علمیہ

حضرت کے جملہ مآثرِ علمیہ میں اگر سب سے زیادہ قابلِ اعتماد کوئی چیز ہے، تو وہ آپ کے مکاتیبِ علمیہ ہیں، جن کے لکھنے کے وقت حضرت کی فکر و توجہ اس درجہ مرکوز رہتی تھی، اور ان کے لکھنے کا اس درجہ اہتمام ہوتا تھا جو دوسرے کاموں میں نہیں ہوتا تھا، اس کا اندازہ اس سے لگانا چاہیے کہ اگر کسی صاحبِ علم سے اس کے اساتذہ، پیر و مرشد یا دیگر مشائخ، کبار علماء، اساتذۂ حدیث کسی نوع کا علمی استفسار یا استفادہ کریں، تو اس صاحب علم کو اپنے اساتذہ و مشائخ کو علمی سوالات کا جواب دینے میں کتنی فرحت، قلبی مسرت ہوگی، اور وہ اپنی کتنی بڑی سعادت سمجھتے ہوئے ان سوالات کے جوابات لکھنے کی کوشش کرے گا۔

حضرت شیخؒ کے مکاتیب علمیہ اسی نوعیت کے ہیں، بڑی تعداد میں ایسے سوالات بھی ہیں، جن کو آپ کے اساتذہ و مشائخ نیز دیگر اصحاب علم و فضل نے آپ سے استفسار کیا ہے، مثلاً شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوریؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد

الجبار صاحب، قاضیٔ شہر مولانا مفتی منظور احمد صاحب کانپوری، حضرت مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحب (مفتی مظاہر علوم سہارنپور)، حضرت مولانا مفتی عبیداللہ صاحب الاسعدی، حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب وغیر ذلک، یہ کبار علماء بہت سے مسائل اور احادیث کی تحقیق میں حضرت کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب جو آپ کے استاذ بھی ہیں اور شیخ بھی، انہوں نے مدینہ پاک کے قیام کے زمانہ میں مدینہ پاک سے چند علمی سوالات حضرت کے پاس بغرض تحقیق بھیجے، اندازہ لگایئے ان کے جوابات کے لکھنے میں حضرت کو کس قدر اہتمام اور توجہ ہوئی ہوگی۔

احقر کی طالب علمی کا زمانہ تھا، اور الحمدللہ ہر وقت خدمت میں رہنے کی سعادت بھی حاصل تھی، جب اس نوع کے سوالات آتے تھے، احقر نے حضرت کو دیکھا کہ اس کی وجہ سے مفوّضہ ذمہ داری یعنی تدریس وغیرہ میں ذرہ برابر کوتاہی نہ ہوتی تھی، حسبِ معمول سارے اسباق ہوتے رہتے، اور اس کے ساتھ ہی آئے ہوئے سوالات کے جوابات لکھنے کے لئے کتابوں کی ورق گردانی بھی کرتے رہتے۔

حضرت کے جوابات لکھنے کا طریقہ

حضرت کے جوابات لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ آئے ہوئے سوالات سے متعلقہ تمام گوشوں کو سامنے رکھتے، پھر اس سے متعلقہ حدیثوں پر نظر فرماتے اور اس سلسلہ کی جتنی معتبر کتابیں ہوتیں سب کو کھنگال ڈالتے، اور جو بات مفید مطلب معلوم ہوتی اس کو علیحدہ کاغذ میں نوٹ کرتے جاتے، کبھی ناقص عبارت مع حوالہ، اور کبھی یادداشت کے لئے صرف حوالہ، اور کبھی پوری عبارت علیحدہ کاغذ میں نقل فرماتے، جو بعد میں ردّی ہو جاتے۔

اس مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد پھر آپ ذہن میں خاکہ بناتے ، لکھنے کی ترتیب قائم فرماتے اور ذکر و دعاء کے بعد پھر آپ جواب لکھنا شروع کرتے ، جواب سے فارغ ہونے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرتے اور قلبی مسرت کا اظہار فرماتے ، ان سارے جوابات کو بھیجنے سے قبل ان کو نقل کرنے اور محفوظ رکھنے کا پورا اہتمام فرماتے ، یہ خدمت حضرت کے خدام انجام دیتے ، الحمدللہ یہ سعادت راقم الحروف کو بھی حاصل ہوتی رہتی تھی ، اس پوری تفصیل سے اندازہ لگانا چاہئے کہ یہ علمی سوالات اور ان کے جوابات کتنی محنتوں اور کاوشوں کے بعد لکھے گئے ہیں ، اور ان میں کتنی علمی تحقیقی باتیں ہوں گی ۔

حضرت کے لکھے ہوئے جوابات کی اسی اہمیت کے پیش نظر آپ کی تقریر بخاری کی طرح مکاتیب کے مرتب کرنے اور منظر عام پر لانے کی احقر نے حضرت والا سے بار بار درخواست کی ، لیکن حضرت اقدس غایت درجہ تواضع اور غلبۂ عبدیت کی وجہ سے اس درخواست کو نظر انداز فرما دیتے تھے ، بعض دیگر اصحابِ علم نے بھی حضرت سے درخواست کی چنانچہ حضرت نے اپنے بعض مکاتیب علمیہ ان کو دیئے اور بعض ماہانہ رسائل میں شائع بھی ہوئے ۔

چند سال گذرنے کے بعد حضرت اقدس شیخؒ نے احقر کو مخاطب کر کے فرمایا اُس وقت اگر تمھاری بات مان لیتا تو اچھا رہتا یہ مکاتیب منظر عام پر آجاتے ، پھر حضرت اقدس نے اس احقر ناکارہ کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو کام کرنے کا سلیقہ دیا ہے ، حضرت تھانویؒ کے ملفوظات و مواعظ کی ترتیب پر تم عرصہ سے کام کر رہے ہو ، یہ میرے لکھے ہوئے علمی سوالات کے جوابات ہیں ان کو بھی اسی طرح سے مرتب کر دو ، اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے اپنی تمام وہ کاپیاں جن میں آپ کے لکھے ہوئے ان سوالات کے جوابات تھے جو

آپ نے پچاس سال کے عرصہ میں لکھے تھے، گویا آپ کی پوری زندگی کا سب سے زیادہ محنتی وقیمتی سرمایہ تھا، آپ نے ان کاپیوں کو احقر کے حوالے کر کے اس ناکارہ کو حکم دیا کہ اس کو مرتب کرڈالو، احقر نے عرض کیا کہ حضرت کاپیاں یہیں محفوظ رہیں ان کی فوٹو کاپی کروا کر میں لئے جاتا ہوں، چنانچہ ضخیم مجلّد کاپیوں کی فوٹو کاپی کے لئے حضرت اقدس ہی نے پیسے دیئے اور فوٹو کاپیاں لے کر احقر لکھنؤ آگیا اور کام شروع کر دیا، تدریسی مشغولی کے ساتھ تقریباً دو سال کے عرصہ میں الحمدللہ اس کی ترتیب کا کام بھی مکمل ہو گیا۔

اس کام میں ترتیب کی نوعیت یہ تھی کہ حضرت کے پاس جو سوالات آئے تھے، وہ مختلف موضوعات سے تعلق رکھتے تھے، مثلاً ایک خط میں پانچ سوالات ہیں: ایک کسی حدیث سے متعلق ہے، ایک کسی راوی کی تحقیق سے متعلق، ایک فقہی مسئلہ سے متعلق، سوال کے مطابق اسی ترتیب سے حضرت شیخ نے ان کے جوابات بھی تحریر فرمائے تھے، اس میں ترتیب کی ضرورت یہ تھی کہ ہر سوال کے جواب کو اس کے ساتھ کر دیا جائے، اور سوال و جواب جس فن اور جس موضوع سے تعلق رکھتا ہو اس کو اسی فن کے ساتھ ملحق کر کے مرتب کر دیا جائے، چنانچہ احقر نے اصول حدیث، صحاح ستہ سے متعلق جتنے سوالات اور جوابات تھے، ان سب کو احقر نے علیحدہ یکجا اور مرتب کیا، اور مختلف احادیث کی تحقیق سے متعلق جتنے سوالات تھے، ان سب کو چن چن کر حروف تہجی کے مطابق علیحدہ جمع کر دیا، اسی ضمن میں رواۃ اور اکابر علماء کے احوال جو آپ نے تحریر فرمائے، ان سب کو بھی حروف تہجی کے مطابق یکجا کر دیا، اور اس پورے مجموعہ کا نام **"نوادر الحدیث"** رکھا۔

اور جو جوابات فقہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور دعوت و تبلیغ، علم کلام سے تعلق رکھتے تھے، ان کو سنن اور فقہی ترتیب کے مطابق علیحدہ مرتب کیا، جس کا نام "نوادر

الفقه'' رکھا، کام کرنے کی مدت میں حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی رہی، بہت سے مقامات میں حضرت کی تحریر کو سمجھنے اور مراجعت کی ضرورت پیش آئی، حضرت اقدس نے الحمدللہ پوری رہنمائی فرمائی، اس کام کی ترتیب فراغت کے بعد اس کی کتابت اور کمپوزنگ کا مرحلہ آیا، حضرت اقدس ہی نے اس کا صرفہ برداشت کیا اور کمپوزنگ کے لئے رقم دے کر فرمایا جلد اس کی کتابت کراؤ، چنانچہ یہ مرحلہ بھی طے ہونے لگا، جن حضرات کو اس کام سے ذرا بھی سابقہ پڑا ہوگا وہ جانتے ہوں گے کہ کتابت وکمپوزنگ اور پروف ریڈنگ، نظر اول ونظر ثانی، اغلاط کی تصحیح اور سیٹنگ وغیرہ کا مرحلہ کتنا مشکل اور صبر آزما ہوتا ہے۔

احقر کے استاذ حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کتابوں کی ترتیب وتصنیف اور اس کی مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے بطور لطیفہ کے فرمایا کرتے تھے کہ یہ کام بہت ہی صبر آزما، دقّت طلب اور دیر طلب ہے، تصنیفی وتالیفی کام کے لئے عمر تو چاہئے حضرت نوح علیہ السلام والی، خزانہ چاہئے قارون والا، صبر چاہئے حضرت ایوب علیہ السلام والا، بہر حال حضرت کے فرمان کے مطابق اپنی ترتیب سے کام تیزی سے کر رہا تھا، حضرت بھی محسوس فرما رہے تھے کہ یہ نا کارہ پوری توجہ اور فکر مندی سے کام میں لگا ہوا ہے، الحمدللہ اس کی وجہ سے حضرت کی شفقتوں اور دعاؤں کے حاصل ہونے میں اضافہ ہوا، حضرت شیخؒ کا لکھنؤ ہوتے ہوئے باندہ کا سفر تھا، احقر نے اپنے غریب خانے پر تشریف آوری کی درخواست کی جو ابھی تعمیر کے مرحلہ میں تھا، حضرت نے بشاشت سے قبول فرمایا اور پورے سفر میں الحمدللہ حضرت کی شفقتیں وعنایتیں اس کام کی برکت سے خوب خوب حاصل رہیں، حضرت کی بڑی فکر تھی کہ کسی طرح میری زندگی میں جلد از جلد یہ علمی سرمایہ

مرتب ہو کر منظر عام پر آ جائے، اس کے لئے حضرت پوری طرح فکر مند اور متوجہ تھے، کبھی لکھنؤ قیام کے زمانے میں فون پر بھی اس سلسلہ میں دیر تک گفتگو ہوتی، جس میں بعض عبارتوں کے متعلق کچھ پوچھنا ہوتا یا کسی عبارت کی مراجعت کرنی ہوتی تو حضرت سارے کاموں کو چھوڑ کر جواب دیتے، حضرت کی خدمت میں کسی نے بہت قیمتی قلم دیا، حضرت نے احقر کو عنایت فرما دیا کہ تم لکھنے کا کام کر رہے ہو اس کو تم رکھو، ان سب باتوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت اقدس کو اپنی ان علمی تحقیقات اور مکاتیب علمیۃ کے منظر عام پر لانے کا کس قدر اہتمام اور انتظار و اشتیاق ہوتا تھا۔

حضرتؒ کی احقر سے ناراضگی اور اس کا ایک سبب

حضرتؒ کی یہ پہلی علمی و تحقیقی کتاب تھی جو منظر عام پر آ رہی تھی، اس لئے حضرت غایت درجہ اشتیاق کے ساتھ اس بات کے خواہش مند تھے کہ کتاب جلد از جلد نگاہوں کے سامنے آ جائے، کتابت و کمپوزنگ کے سلسلہ کی دشواریوں کا حضرت کو پورا تجربہ نہ تھا، بس یہ پیش نظر تھا کہ جب ترتیب و مراجعت وغیرہ کے کام سے پوری فراغت ہو گئی، کمپوزنگ و کتابت ہو گئی، اتنا عرصہ ہو گیا اب کتاب کے آنے میں تاخیر کیوں ہو رہی ہے، کتاب کی طباعت کے لئے حضرت نے احقر کو رقم بھی عنایت فرمائی تا کہ کتاب جلد طبع ہو کر آ جائے، لیکن سب کام پیسوں ہی سے تو نہیں ہوتا، پروف ریڈنگ، نظر اول و ثانی اور اغلاط کی تصحیح و ترتیب وغیرہ کی وجہ سے جو دشواریاں سامنے آتی ہیں اور جس کے لئے تاخیر لازمی ہے حضرت کو اس کا پورا اندازہ نہ تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تاخیر اور دیری حضرت کے تکدّر اور انقباض کا باعث بننے لگی، اور اس تاخیر کی وجہ سے حضرت اقدس کی جو شفقتیں و عنایتیں اس ناکارہ کو پہلے حاصل ہوتی تھیں ان سے محرومی ہونے لگی، سارا کام کتابت و

تصحیح کا سہارنپور میں ہی ہو رہا تھا، جس کی وجہ سے سہارنپور بھی کثرت سے حاضری ہوتی رہتی تھی، لیکن اس تاخیر کی وجہ سے حضرت اقدس کو جو تکدّر رہا اس کی بنا پر نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ احقر جب سہارنپور حاضر ہوتا ہے تو حضرت توجہ نہیں فرماتے، حاضری بھی بار ہونے لگی۔

حضرت کے بعض مقرّبین نے احقر سے یہاں تک کہہ دیا کہ آپ تشریف لائیں تو یہاں حضرت کے پاس نہ ٹھہریں کہیں اور قیام کریں تو زیادہ بہتر ہے تاکہ حضرت کو تکلیف نہ ہو، جب کہ کام اب بھی معلق و موقوف نہ تھا، بلکہ اپنی رفتار سے جاری تھا، اندازہ لگائیے کہ جس شخص نے رات دن ایک کر کے چالیس سال میں لکھے ہوئے سوالات و جوابات کو ایک ایک کر کے پڑھ کر اس کو مرتب کیا ہو اور محنت شاقہ برداشت کر کے اس مرحلہ تک کام پہنچ گیا ہو اور اب اس کے شیخ و محسن ہی کی نگاہیں بدل گئی ہوں اور سابقہ شفقتوں اور عنایتوں سے وہ محروم کر دیا گیا ہو اس کے دل پر کیا گذر رہی ہوگی۔

اسی عرصہ میں حضرت کے بعض معتمد تلامذہ حاضر ہوئے، حضرت نے ان کو اپنی وہی کاپیاں جو سوالات و جوابات پر مشتمل تھیں، ان کو بھی عنایت فرمائیں اور جلد طباعت کا حکم فرمایا، چنانچہ انہوں نے بھی اپنی سعادت سمجھ کر اس کی کوشش کی اور حضرتؒ کے وہ علمی خطوط جس طرح کاپیوں میں درج تھے، بغیر کسی ترمیم و ترتیب کے من و عن شائع کرنے کا پورا اہتمام کیا۔

حضرت کے تکدّر و انقباض بلکہ ناراضگی کا جو اثر قلب پر طبعی طور سے اس ناکارہ پر پڑنا تھا وہ پڑا، اور شیطان نے طرح طرح کے دل میں وساوس و خیالات ڈالے اور ڈر یہ لگنے لگا کہ خود احقر کے دل میں خدانخواستہ حضرت شیخ کی طرف سے کسی نوع کی بدگمانی

اور انقباض نہ پیدا ہوجائے جو احقر کے لئے بڑے خسران وحرمان کا باعث ہو، اور یہ ایسے حالات تھے کہ دوسروں سے احقر اس کا اظہار بھی نہیں کرسکتا تھا، لیکن الحمدللہ اس نازک موقع پر اللہ رب العالمین نے اپنے اس بندہ کی رہنمائی فرمائی اور دل کو مضبوط کیا، اور حضرت شیخ کی طرف سے عمدہ تاویل کر کے حضرت کو معذور سمجھا کہ حضرت بھی بالآخر انسان ہی تو ہیں، **وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا**، عجلت انسانی فطرت میں داخل ہے، اور پھر دینی امور اور قرآن وحدیث میں جلد بازی تو عین دینی فطرت کے مطابق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی تو خاص انداز سے یہ وصف پایا جاتا تھا، چنانچہ آپ کو ہدایت کی گئی: **لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ** الآیۃ، پھر حضرت کو اس نوع کے مراحل کا عملی تجربہ نہ تھا، اس لئے حضرت کی ناراضگی کو احقر نے عذر پر محمول کیا، لیکن حضرت کی مشفقانہ نگاہیں احقر کی طرف سے پھر چکی تھیں، اس لئے طبیعت پر اس کا غیر معمولی اثر پڑا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور الحمدللہ حضرت کی اس ناراضگی نے احقر کے اندر مزید اخلاص پیدا کردیا، اور احقر نے یہ طے کرلیا کہ اب جو بھی کام کر رہا ہوں، چوں کہ یہ فن حدیث شریف کی خدمت ہے اور یہ خدمت بڑی سعادت کی بات ہے، اللہ کی رضا کے لئے دین کی خدمت سمجھ کر یہ کام کرنا ہے، شیخ کے لئے اور ان کو راضی اور خوش کرنے کے لئے نہیں، شیخ ناراض ہوں تو ہوا کریں، کام بہر حال اللہ کے لئے کرنا ہے، اس تصور اور خیال نے احقر کے دل کو اور مضبوط کردیا، اور الحمدللہ کام کرنے سے نہ دل برداشتہ ہوا نہ مایوس اور عاجز، اور شیخ کی ناراضگی کا بھی کام پر کوئی اثر نہ پڑا، بلکہ اس ناراضگی نے کام میں اور اخلاص پیدا کردیا۔

حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب کا ایک واقعہ

اور یہ بات احقر کو اپنے شیخ حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کی صحبت سے حاصل ہوئی، میرے شیخ خود اپنا قصہ بیان فرماتے تھے کہ:

''میرے شیخ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب (خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ) مجھ سے تین سال تک ناراض رہے ہیں، صرف اس وجہ سے کہ حضرت مجھے بعض ترقیاں دلانا چاہتے تھے، وہ یہ کہ حضرت مجھے مظاہر علوم سہارنپور کی اعلیٰ مدرسی اور حدیث و فقہ کی بڑی کتابوں کے لئے مدرس رکھنا چاہتے تھے، اور میری شادی بھی وہیں کرانا چاہتے تھے، لیکن مجھ کو اپنے علاقے کا حال معلوم تھا کہ پورے علاقے میں جہالت کا غلبہ ہے، لوگ ارتداد کے دہانے پر کھڑے ہیں، بعض لوگ مرتد بھی ہو گئے تھے، میں شیخ الحدیث بن کر کیا کروں گا جب کہ میرے علاقہ میں لوگ مرتد ہو رہے ہوں، میں نے تو علم حاصل ہی کیا اس غرض سے کہ اپنے علاقے کی جہالت و غفلت دور کرنا ہے، اسی لئے مظاہر سے فارغ ہو کر علاقہ ہی میں کام کرنے کا فیصلہ کیا تھا، اس وجہ سے ہم نے اپنے شیخ کی بات نہیں مانی، جس کی وجہ سے حضرت مجھ سے تین سال تک ناراض رہے، اور یہ تین سال میرے بڑی مشقت اور بے چینی کے گذرے ہیں، لیکن الحمد للہ بعد میں جب حضرت کو حالات معلوم ہوئے تو حضرت بہت خوش ہوئے اور بار بار فرمایا کہ صدیق تمہارا اجتہاد صحیح تھا، میرا اجتہاد غلط تھا، اور ایک مرتبہ خوش ہو کر یہاں تک فرمایا کہ کل قیامت کے دن اگر اللہ پوچھے گا کہ کیا لائے ہو؟ تو صدیق کو پیش کردوں گا کہ اس کو لایا ہوں، یہ پورا واقعہ احقر نے خود حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی کی زبانی سنا ہے۔

حضرت اقدسؒ کے بیان کردہ اس قصہ سے اس موقع پر الحمدللہ مجھے بڑی رہنمائی اور بہت تقویت ملی، اور دل میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ گئی کہ اگر بندہ کا معاملہ اپنے اللہ سے صاف ہو اور شریعت وسنت پر وہ قائم ہو تو پھر کسی شیخ یا استاذ یا باپ کی ناراضگی، بلکہ بددعا سے بھی اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا، نہ دنیا میں نہ آخرت میں، گو وقتی اور طبعی طور پر تکلیف ضرور ہوگی لیکن نتیجہ کے لحاظ سے حالات بعد میں بہتر اور سازگار ہو ہی جاتے ہیں اور تلخیاں و بدمزگیاں بھی سب ختم ہو جاتی ہیں۔

تحدیث نعمت

الغرض حضرت شیخؒ کی ناراضگی کے باوجود احقر کام میں اللہ کے واسطے لگا رہا، اور کوشش کی کہ ایک چھوٹا سا رسالہ جلدی تیار کر کے حضرت کی خدمت میں پیش کردوں، چنانچہ مبادی حدیث اور صحاح ستہ سے متعلق مفید معلومات پر مشتمل مختصر رسالہ ۱۶۰/ صفحات کا طبع ہو کر منظر عام پر آگیا، اور اس کے کچھ دنوں کے بعد الحمدللہ نوادر الحدیث اور نوادر الفقہ بھی منظر عام پر آگئیں، اس وقت تک حضرت کی کوئی بھی کتاب جو حضرت کے افادات اور علمی سوالات و جوابات پر مشتمل ہو، نہیں آسکی تھی، یہ کتابیں پہلی مرتبہ حضرت کی خدمت میں پیش کی گئیں، اس سے حضرت بہت ہی خوش ہوئے، اب حضرت اپنی ان دونوں کتابوں نوادر الحدیث اور نوادر الفقہ کو دیکھتے ہیں، تو آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں، دل سے خوش ہوتے ہیں، الٹتے پلٹتے بار بار دیکھتے ہیں، من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے شاگردوں کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو جزائے خیر دے، تم لوگوں نے محنت کر کے اس کو کارآمد بنا دیا،

اس سے انشاء اللہ لوگوں کو فائدہ ہوگا، ورنہ یہ سب ضائع ہو جاتے، دل سے دعائیں دیں، احقر حضرت کے پاس سے اٹھ کر مہمان خانہ آ گیا، تھوڑی دیر میں دیکھا کہ پیچھے سے حضرت کے خادم، ایک عمدہ سفید عربی رومال اور نہایت قیمتی عطر بڑے عطر دان میں لے کر آئے اور کہا کہ حضرت نے دیا ہے، دل میں رقت طاری ہو گئی، دل باغ باغ ہو گیا، اللہ کا شکر ادا کیا، ایک عرصہ کے بعد نوادر الحدیث کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا، وہ بھی حضرت کی خدمت میں پیش کیا، حضرت مزید خوش ہوئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک یہ دونوں کتابیں ویب سائٹ (www.alislahonline.com) میں بھی ڈال دی گئی ہیں۔

حضرت شیخؒ کے علمی و اصلاحی ملفوظات

حضرت شیخ کے مآثر علمیہ میں سے نہایت اہم اور قیمتی چیز آپ کی علمی مجالس اور ان میں آپ کے فرمائے ہوئے علمی و اصلاحی ارشادات و ملفوظات ہیں، جن کو آپ وقتاً فوقتاً اصحاب علم و درس اور طالبین و مسترشدین کے سامنے بیان فرماتے ہی رہتے تھے۔ اس میں علمی نکتے، اصلاحی باتیں، وعظ و تذکیر بھی ہوتی، بزرگوں اور علماء ربانیین کی سبق آموز حکایات و واقعات بھی ہوتے، جب جیسا موقع ہوتا حسب ضرورت آپ کچھ نہ کچھ ارشاد فرماتے ہی رہتے تھے، جس سے طلبہ و علماء، عوام و خواص سب ہی کو بہت فائدہ پہنچتا تھا، بسا اوقات کوئی علمی موضوع زیر بحث آ جاتا تو موضوع سے متعلق محققانہ کلام فرماتے، کبھی اسلاف و محدثین ابن تیمیہ، ابن قیم، امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعی، حافظ ابن حجر، علامہ عینی، قسطلانی، ملا علی قاری، شمس الائمہ سرخسیؒ کے تذکرے، ان کے حالات و واقعات اور ان کا علمی رتبہ بیان فرماتے، کبھی اپنے اکابر علماء و مشائخ اور اپنے اساتذہ مثلاً شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب، اپنے

مشفق استاذ مولانا ضیاء الحسن صاحب اور دوسرے بزرگوں حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی وغیرہ کے واقعات اور حالات بیان فرماتے، کبھی تصوف کے نکات اور وعظ و نصیحت کی باتیں بیان فرماتے، کاش اگر ان علمی و اصلاحی باتوں کے جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہوتا تو آج امت کے سامنے ایک بڑا علمی و اصلاحی ذخیرہ ہوتا جو عوام و خواص سب کے لئے بہت نافع اور مفید ہوتا، لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ و کان امر اللہ قدراً مقدوراً.

احقر راقم الحروف کو دورۂ حدیث شریف اور افتاء کے سال حضرت اقدسؒ کی خدمت میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی، دورہ کے سال بخاری شریف، مسلم شریف اور افتاء کے سال رسم المفتی اور درمختار پڑھنے کا شرف بھی حاصل ہوا، ان دو سال کے عرصوں میں بحمدہٖ تعالیٰ مختلف اوقات اور مختلف مجلسوں کی حضرتؒ کی علمی و اصلاحی باتوں کے جمع کرنے کا جس قدر ممکن ہو سکا اہتمام کیا، فراغت کے بعد بھی وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی خدمت میں حاضری ہوتی رہتی تھی اور جس قدر ممکن ہو سکا حضرتؒ کی علمی و اصلاحی باتوں کے جمع کرنے کی کوشش کرتا رہا، دورۂ حدیث شریف اور افتاء کے سال حضرتؒ کے ارشادات کئی کاپیوں میں جمع کئے، جامعہ عربیہ ہتورا باندہ کے زمانۂ تدریس میں کئی مرتبہ احقر نے حضرت والاؒ سے گذارش کی کہ ان جمع کردہ ارشادات و ملفوظات کو ملاحظہ فرمالیں تاکہ ان کو منظر عام پر لایا جاسکے اور لوگوں کو فائدہ ہو، کئی سال تک حضرت والا متواضعانہ کلمات کہہ کر ٹالتے رہے۔

کئی سال بعد ایک مرتبہ احقر کی درخواست کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرے ملفوظات جو تم نے جمع کئے ہیں، ان کو تم خود ہی غور سے مکرر دیکھ لو، جو باتیں قابل

حذف ہوں، ان کو حذف کردو، جو باتیں مفید ہوں ان کو باقی رکھو حضرتؒ کے اس ارشاد کے بعد احقر کو اطمینان ہوگیا اور اس بات سے خوشی بھی ہوئی، اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ حضرت اقدس شیخؒ نے احقر کے علم وفہم ودیانت پر اعتماد فرمایا۔ **فالحمد للہ علی ذلک۔**

لیکن اس کے بعد سے ایسے دوسرے علمی مشاغل میں انہماک رہا کہ اس کام کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ نکال سکا، اب حضرتؒ کی وفات کے بعد جب کہ حضرتؒ کے علمی وعملی کمالات پر مختلف پہلوؤں سے اصحاب قلم نے حضرت کے احوال تحریر فرمارہے ہیں جن احباب کے علم میں یہ بات تھی کہ احقر کے پاس حضرت شیخ کے ملفوظات کا ذخیرہ بھی ہے، ان حضرات نے احقر سے باصرار خواہش کی کہ ان کو جلد از جلد منظر عام پر لاؤ تاکہ امت کو ان سے استفادہ کا موقع ملے، اس وقت تو احقر حضرتؒ کے علمی وعملی کمالات پر مضمون لکھ رہا ہے، جس کی یہ پہلی قسط ہے، دوسرا حصہ انشاء اللہ حضرتؒ کے عملی کمالات پر مشتمل ہوگا، اس کے بعد ان شاء اللہ جلد ہی حضرتؒ کے علمی واصلاحی ارشادات وملفوظات جو احقر نے حضرت کے سامنے جمع کئے تھے ان شاء اللہ ان کو منظر عام پر لانے کی کوشش کروں گا، الحمد للہ ملفوظات کی پہلی قسط جو تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے تیار ہوگئی ہے، جلد ہی انشاء اللہ منظرِ عام پر آئے گی۔

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کے ملفوظات کی اہمیت حضرت شیخ کی نگاہوں میں

حضرت اقدس شیخؒ کی حیات میں احقر حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کے بھی علمی واصلاحی ملفوظات سے نیز درس قرآن وحدیث اور تقریریں وغیرہ ضبط

کرتا اور لکھتا تھا، حضرت شیخ کو اس کا بھی علم تھا، حضرتؒ کی نگاہ میں مولانا صدیق احمدؒ کے ملفوظات کی بھی بڑی اہمیت تھی، فرماتے تھے کہ وہ جو باتیں فرماتے ہیں پورے اخلاص سے اور دل کی گہرائی سے کہتے ہیں اس میں نور ہوتا ہے، احقر سے فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کے اس طرح کے تمام اصلاحی ملفوظات کو کتابی شکل میں جمع کر کے منظر عام پر لاؤ۔

ایک مرتبہ شہر کانپور میں کسی اسپتال کے افتتاح کے موقع پر جس میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ اور حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ بھی موجود تھے اور احقر بھی حاضر خدمت تھا، بہت سے رؤساء واغنیاء اور ڈاکٹر صاحبان کا مجمع تھا، حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ نے لڑکیوں کو عصری تعلیم اور اس کے بعد ڈاکٹری تعلیم دلانے کے متعلق کوئی مضمون ارشاد فرمایا اور اس کے بعد حضرت اقدس شاہ عبد القادر صاحب رائپوریؒ کے حوالہ سے ارشاد فرمایا کہ:

”ایک صاحب نے حضرت رائپوریؒ سے اپنی بیٹی کی عصری وانگریزی تعلیم کا ذکر کر کے دعاء کی درخواست کی، حضرت رائے پوریؒ نے ارشاد فرمایا: جب اتنا پڑھایا ہے تو ان کو ڈاکٹر بھی بنادو، درمیان میں نہ چھوڑ دو، حضرت رائپوریؒ کے ایک مرید جو قریب میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے حضرت رائپوریؒ سے بہت تعجب سے عرض کیا کہ حضرت آپ فرما رہے ہیں کہ لڑکی کو ڈاکٹری پڑھاؤں؟ حضرت رائپوریؒ نے فرمایا: ہاں، میں کہہ رہا ہوں، اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ لیکن ان سے کہہ رہا ہوں تم سے تو نہیں کہہ رہا ہوں کہ تم بھی اپنی بیٹیوں کو ڈاکٹر بناؤ۔“

مطلب یہ کہ جو لوگ اپنی بچیوں کو عصری تعلیم دلاتے اور انگریزی پڑھاتے ہی

ہیں تو ان کو چاہئے کہ صرف انٹر، بی اے ہی تک نہ کرائیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اگر گنجائش دی ہو تو ڈاکٹری کا کورس بھی کرا دیں، امت کو اس کی بھی ضرورت ہے، مسلمانوں کے اپنے ہسپتال بھی ہونے چاہئے، مسلم ڈاکٹر مرد عورت سب ہونے چاہئے۔

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب نے ارشاد فرمایا: بعض ثقہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ بعض ہندو تنظیموں نے خفیہ طور پر یہاں تک منصوبے بنائے ہیں کہ ہسپتالوں میں اگر مسلمان عورتیں علاج کے لئے آئیں تو ان کے ساتھ سختی کرو، ایسا انجکشن لگا دو جس سے آئندہ ان کے بچے نہ ہو سکیں، یا ہوں تو معذور اور اپاہج ہوں، مجھ سے بہت معتبر آدمی نے یہ بات بتلائی ہے اس لئے مسلمانوں میں مرد و عورت سب ڈاکٹر ہونے چاہئے، یہ امت کی ضرورت ہے۔

حضرت اقدس مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ نے مذکورہ بالا ملفوظ لوگوں کے سامنے بیان فرمایا، اس مجلس میں شیخ الحدیث حضرت مولانا یونس صاحبؒ بھی موجود تھے، احقر حضرت کے ساتھ تھا، لیکن مجلس میں بروقت حاضر نہ تھا، اس ارشاد کے بعد حضرت شیخؒ نے فرمایا:

”ارے زید کہاں ہے؟ اس سے کہو: اتنا اہم ملفوظ ہے یہ، اس کو بھی مولانا کے ملفوظات میں لکھ لے۔“

الغرض حضرت شیخؒ کو حضرت اقدس تھانویؒ کے ملفوظات کے بعد حضرت مولانا صدیق احمد باندویؒ کے ارشادات کی بڑی قدر تھی، الحمد للہ احقر راقم الحروف نے حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحبؒ کے علمی و اصلاحی ملفوظات نیز درس بخاری، درس قرآن تقریباً پندرہ سال تک بڑے اہتمام سے حضرت اقدسؒ کی زیر نگرانی جمع کئے ہیں، اس

کے کچھ حصے شائع بھی ہو چکے ہیں، کافی ذخیرہ باقی ہے، قارئین کرام سے گزارش ہے کہ دعاء فرمائیں کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ اور حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ دونوں حضرات کے علمی و اصلاحی ارشادات کو مرتب کر کے امت کے سامنے پیش کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

الحمدللہ کام جاری ہے فی الحال یہ ارداہ بھی کیا ہے کہ ہفتہ پندرہ دن میں اپنے اکابر حضرت تھانوی، حضرت شیخ اور مولانا سید صدیق احمد باندویؒ وغیرہ کے ارشادات اصلاحی مجلس کے عنوان سے لکھ کر پڑھ کر واٹس اپ وغیرہ میں ڈال دیا کروں تاکہ تھوڑے وقت میں زائد سے زائد لوگ آسانی سے فائدہ اٹھا سکیں۔

ختم بخاری شریف کا اہتمام

ہمارے دیار میں اہل علم و اہل مدارس کے عرف میں ختم بخاری شریف کا اطلاق دو موقعوں کے لئے ہوتا ہے، یا یوں کہئے کہ ختم بخاری شریف کے دو مصداق ہیں، ایک تو کسی نازلہ یعنی کسی مصیبت اور ناگہانی آفت یا کسی شخص کی ہلاکت و بربادی (مثلاً پھانسی وغیرہ کا حکم یا وبائی مرض طاعون وغیرہ) کے موقع پر اجتماعی طور پر ختم بخاری کرانا اور پھر سہولت و عافیت اور خلاصی کی دعا کرنا، تجربات سے یہ بات ثابت ہے کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس نازلہ و حادثہ اور پریشانی سے نجات نصیب فرمادیتے ہیں۔

ہمارے اسلاف و محدثین اور اکابر علماء دیوبند و سہارنپور کا بھی معمول رہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی پریشانی اور ناگہانی آفت سے حفاظت اور خلاصی کے لئے ختم بخاری شریف کرانا چاہتا تو اس کی خیر خواہی میں وہ ختم بخاری کرادیتے تھے، جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ بخاری شریف از اول تا آخر دیکھ کر پوری سند کے ساتھ پڑھ دی جاتی تھی، جس

طرح ناظرہ خواں قرآن شریف دیکھ کر پڑھتا ہے، اور چونکہ پوری بخاری شریف پڑھنا کسی ایک فرد یا چند افراد کے لئے دشوار ہوتا ہے اس لئے دورۂ حدیث کے تمام طلبہ مل کر پڑھتے ہیں اور بخاری شریف کے تیس اجزاء کو طلبہ پر تقسیم کر دیا جاتا ہے، ایک ایک جزء کو ایک یا کئی طالب علم مل کر پڑھتے ہیں، اساتذۂ حدیث بھی اس میں شریک ہوتے ہیں، پھر اس مقصد کے لئے دعا کی جاتی ہے جس غرض کے لئے ختم بخاری شریف کیا گیا ہے۔

ختم بخاری شریف کا ایک موقع تو یہ ہوا یعنی حوادث اور نوازل و مصائب و آفات کے وقت دفع بلیات کی غرض سے ختم بخاری کرانا۔

ختمِ بخاری شریف کا دوسرا مصداق

ختم بخاری شریف کا دوسرا مصداق یہ ہے کہ عالمیت کے نصاب میں حدیث پاک کی سب سے بڑی پڑھائی جانے والی کتاب یعنی بخاری شریف کی آخری حدیث کسی بڑے عالم اور شیخ وقت سے ختم کرا کر اس کی جامع نصیحتوں اور ہدایتوں کے بعد دعاء کے ساتھ ختم کرایا جائے، ختم بخاری کا یہ طریقہ بھی ہمارے مدارس میں معروف و مشہور ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ دونوں قسم کے ختم بخاری شریف کرایا کرتے تھے، پہلی قسم کے ختم بخاری کے مواقع کم ہی آتے تھے، البتہ دوسری قسم کے ختم بخاری کے مواقع بکثرت آتے تھے، دونوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حوادث و مصائب کے وقت ختم بخاری شریف کرانا کیا بدعت ہے؟

بہت سے اصحاب علم حوادث و مصائب کے لئے ختم بخاری شریف یا ختم خواجگان

وغیرہ کو غیر ماثور ہونے کی وجہ سے بدعت قرار دیتے ہیں، جب کہ ہمارے اکابر علماء دیوبند وسہارنپور کا اس کے مطابق عمل رہا ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ سے اس کے متعلق بعض اصحاب علم نے سوال کیا، حضرت اقدسؒ نے علمی وتحقیقی جواب تحریر فرمایا اور علماء سلف ومحدثین کے حوالے سے سنہ وار نقل فرمایا ہے کہ علماء متقدمین کا بھی اس کے مطابق تعامل رہا ہے، اس کو بدعت کہنا درست نہیں، حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں:

> ”یہ تو معلوم نہیں ہوسکا کہ ختم بخاری شریف کا دستور کب سے چلا، لیکن علماء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے یہ طریق جاری ہے، قال القسطلانی (ص:۲۹) قال الشیخ ابو محمد عبداللہ بن أبی جمرة قال لی من لقیت من العارفین من السادة المقر لهم بالفضل :إنّ صحیح البخاری ماقرئ فی شدّة إلا فرجت ولا رَکِب به فی مرکب إلانجت.
>
> عارف بن ابی جمرۃ کی وفات سنہ ۶۷۵ھ میں ہوئی اور وہ متقدمین سے نقل کرتے ہیں۔“

اس کے بعد حضرت شیخ نے سنہ وار علماء سلف کی عبارتیں نقل فرمائی ہیں جنہوں نے مہمات اور حل مشکلات کے لئے بخاری شریف ختم کرانے اور دعا کرنے کو لکھا ہے، اور اس کی افادیت اور تاثیر بھی تحریر فرمائی ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کے شاگرد علامہ ابن کثیرؒ کی البدایۃ والنہایۃ کی عبارت بھی نقل فرمائی ہے، جنہوں نے اس کی افادیت کا تذکرہ کیا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ۱۱/۲۷)

یہ وجہ ہے کہ اکابر علماءِ ہند حل مشکلات کے لئے ختم بخاری شریف کو درست اور جائز سمجھتے ہیں، اور اس کو بدعت نہیں کہتے، کیونکہ وہ اس کو دین اور عبادت سمجھ کر نہیں کرتے، بلکہ اس کی حیثیت رقیہ کی سمجھتے ہیں، یعنی بخاری شریف کی قراءت یا تلاوت من حیث التعبد یعنی عبادت کی حیثیت سے نہیں کی جاتی جس طرح کہ قرآن پاک کی تلاوت بھی عبادت کے طور پر کی جاتی ہے، اور اگر بالفرض بخاری شریف کی قراءت وتلاوت بھی قرآن پاک کی طرح عبادت کی نیت سے کی جانے لگے تو بے شک یہ بھی بدعت ہو جائے گا، یہاں تو اس کی قراءت من حیث العبادۃ نہیں بلکہ من حیث الرقیۃ کی جاتی ہے لہٰذا یہ بدعت نہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نوادر الحدیث/ ۹۴ تا ۹۶)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

> ”ختم بخاری حصولِ ثواب کے لئے پڑھ کر کبھی اس پر نذرانہ نہیں لیا جاتا (یعنی عبادت کے طور پر ثواب کی غرض سے اس کو نہیں پڑھا جاتا) بلکہ شفاء مریض کے لئے یا مقدمہ میں غلبہ حاصل کرنے کے لئے (بطور رقیہ کے) پڑھا جاتا ہے، اور مقاصد دنیوی پر اجرت لینا جائز ہے۔ (مقالات حکمت ومجالات معدلت/ ۲۹۴)

بخاری شریف ہی کی تخصیص نہیں بعض علماءِ محققین نے وبائی امراض طاعون وغیرہ کے موقع پر مصائب کو دور کرنے کے لئے سیرت کی بعض کتابوں کے پڑھنے کو مفید اور موثر ہونا اپنے تجربے سے لکھا ہے، مثلاً قاضی عیاض کی کتاب ”شفاء“ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی ”نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب“ جیسا کہ اس کے مقدمے میں خود حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بلاؤں اور مصیبتوں کو دور کرنے اور دشمنوں سے حفاظت کے لئے علما و مشائخ کے چند مجرّبات لکھے ہیں اس میں تحریر فرماتے ہیں:

چہارم: کتاب ”حصن حصین“ مصنفہ امام جزری ختم کر کے دعاء مانگنا۔

پنجم: صحیح بخاری ختم کر کے دعاء مانگنا۔

ششم: اسمائے بدریین پڑھ کر دعاء مانگنا۔

ہفتم: حزب البحر روزانہ پڑھنا۔“

(نجات المسلمین مصنفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ص ۴۸)

خلاصہ یہ کہ اس نوع کا ختم بخاری شریف (یعنی بخاری شریف کی حدیثوں کو پڑھنا) اگر تعبّد کی نیت سے قرآن پاک کی تلاوت کی طرح ہو تو چونکہ اس طرح حدیثوں کی تلاوت کرنا ثابت نہیں ہے، اس لئے اس کے بدعت ہونے میں تو واقعی کوئی شبہ نہیں، لیکن بطور رقیہ اور مجرّب عمل کے طور پر حل مشکلات و دفع مصائب کے لئے اس کو پڑھا جائے تو اس کو بدعت نہیں کہا جا سکتا۔

یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ حضرات علماءِ غیر مقلدین نے بھی اس کو قبول و تسلیم کیا ہے، چنانچہ علامہ مبارک پوریؒ نے شفاءِ امراض اور دفعِ مصائب اور حصولِ مقاصد کے لئے مروّج طریقہ کے مطابق ختم بخاری شریف کو جائز قرار دیا ہے اور جواز کی دلیل یہی بیان کی ہے کہ یہ بطور رقیہ کے ہے، اور رقیۃ کے جواز ہونے کے لئے اس کے ماثور ہونے یا کتاب و سنت سے ثبوت کی ضرورت نہیں، چنانچہ علامہ مبارک پوریؒ ”تحفۃ الاحوذی“ کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں:

”قد أجاز كثير من أهل العلم فی هذا الزمان قراءة صحيح البخاری

وختمه لشفاء الأمراض و دفع المصائب و حصول المقاصد فيجتمعون و يقرأ بعضهم الجزء الأول منه مثلاً و بعضهم الجزء الثاني و بعضهم الثالث و هكذا فيختمونه باجتماعهم ثم يدعون اللہ تعالیٰ لشفاء مرضاهم أو لدفع مصائبهم أو لحصول مقاصدهم ، واستدلوا على ذلك بأن قراءته بتمامه رقية لشفاء المرضى و دفع المصائب و حصول المقاصد ، والرقية بما ليس فيه شرك ولا كلمة لا يفهم معناها جائزة بالاتفاق و جواز الاسترقاء به لا يتوقف على ثبوت كونه رقية من الكتاب و السنة (مقدمة تحفة الاحوذی ۹۳ الباب الأول الفصل العشرون)

الغرض شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب اپنے اکابر و مشائخ کے معمول کے مطابق ختم بخاری شریف اور اس کے بعد دعاء کے قائل تھے، ایسی مجالس میں شریک بھی ہوتے تھے، لیکن اس عمل کے جائز ہونے کے باوجود حضرت شیخ اس کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے، چنانچہ بہت سی ناگہانی آفتوں اور مصیبتوں کے مواقع اور مہلک امراض کے حالات پیش آجانے کے وقت ختم بخاری شریف کرانے کا اہتمام آپ نے نہیں فرمایا، بلکہ احادیث مبارکہ میں جو دعائیں وارد ہوئی ہیں ان کے پڑھنے کا آپ خاص اہتمام فرماتے تھے، دوسروں کو بھی اس کی بھی تلقین فرماتے تھے، امراض سے شفاء کے لئے شریعت وسنت کے مطابق طبی وڈاکٹری علاج کا بھی اہتمام فرماتے تھے۔

ختم بخاری شریف اور اس میں دعاء کا اہتمام

ختم بخاری شریف کا عنوان آج کل اہل مدارس کی اصطلاح میں معروف ومشہور ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مدرسہ میں دورۂ حدیث کے طلبہ صحاح ستہ کی جو کتابیں پڑھتے ہیں، ان میں سب سے اہم بخاری شریف سمجھی جاتی ہے۔ ساری کتابیں تو ان کے

پڑھانے والے اساتذہ ہی ختم کراتے ہیں، لیکن بخاری شریف کی اہمیت کی وجہ سے اس کا اختتام کسی صاحب علم بزرگ، وقت کے شیخ الحدیث سے کراتے ہیں، وہ بزرگ بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دے کر جامع نصیحتوں کے ساتھ دعاء فرمادیتے ہیں۔

ختم بخاری کی طرح بہت سے حضرات افتتاح بخاری کا بھی اہتمام کرتے ہیں یعنی برکت کے لئے کسی بزرگ سے افتتاح کرتے ہیں، احقر کی ناقص معلومات کے مطابق علماء سلف اور قدماء محدثین کے یہاں تو اس کا اہتمام نہیں ملتا (واللہ اعلم) البتہ بعض اکابر سے ختم بخاری شریف کے وقت کسی بزرگ کو بلا کر ان کے آخری درس اور نصیحتوں کے بعد دعا کرانے کا معمول رہا ہے۔

دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور میں بھی کسی قدر اس کا اہتمام تھا، عوام الناس کو اس کا علم ہوا تو وہ بھی اس مبارک مجلس میں شرکت کے لئے بڑے اہتمام سے دور دراز سے سفر کر کے آنے لگے، بعض بڑے مدارس میں تو نقاب پوش عورتوں کی بڑی تعداد بھی شرکت کے لئے آنے لگی، جن میں بے پردہ عورتیں بھی ہوتی تھیں۔ گویا ختم بخاری میں شرکت ایک ایسا پر کشش مبارک عنوان بن گیا کہ اس کے لئے بڑے اہتمام سے تاریخ کا تعین اور دعوت ناموں کے ذریعہ لوگوں کو بلانے کا اہتمام بھی کیا جانے لگا اور اس پروگرام میں جشن کی سی صورت بننے لگی، عورتوں کی شرکت نے ایسی مجلسوں میں اور مفاسد پیدا کر دیئے، بعض مدارس میں ایسے پروگراموں کو جشن کا رنگ دے کر غیر مسلموں اور سیاسی لوگوں کو بھی مدعو کیا جانے لگا، ہمارے بعض اکابر نے ایک حد تک جو اس کا اہتمام کیا تھا، وہ تو ان تمام مفاسد سے بالکل خالی ہوتا تھا، بلکہ متعدد مصالح پر مشتمل ہوتا تھا، مثلاً یہ کہ کسی بزرگ و شیخ سے آخری درس کے موقع پر اس میں الوداعی نصائح کا بھی اہتمام

ہوتا تھا، اہل مدارس اور عوام و خواص میں بہت سے حضرات شیخ وقت سے بیعت ہوتے اور اصلاحی تعلق بھی قائم کرتے تھے۔ اسکے علاوہ مختلف اوقات میں اصلاحی مجلسوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا، بہت سے اصحابِ علم علمی سوالات بھی کرتے، وعظ و نصیحت کی بھی مجلس ہوتی، عقدِ نکاح بھی ہوتے، الغرض عنوان تو ہوتا تھا ختم بخاری شریف کا، لیکن اس کے ساتھ بہت سے علمی و اصلاحی پروگرام بھی ہوتے تھے، فارغ ہونے والے طلبہ اور حفاظ کو دستارِ فضیلت بھی عطا کی جاتی تھی، ان سارے مصالح کی بنا پر ہمارے بعض اکابر نے ختم بخاری کے پروگرام کو جاری رکھا تھا۔

لیکن ہمارے اکابرین میں بعض مصلحینِ امت مثلاً حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ وغیرہ کو اُسی وقت کھٹک پیدا ہوئی کہ یہ تو صورۃً حدیث پاک کو قرآن پاک پر ترجیح دینا ہے، ختم بخاری کے مقابلے میں ختم قرآن کے بعد دعا کی قبولیت کی زیادہ امید کی جا سکتی ہے، پھر ختم بخاری کا اس درجہ کا اہتمام کیوں؟ یہ صورتِ حال آگے چل کر کہیں بڑے مفسدہ کا ذریعہ نہ بن جائے، چنانچہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ نے اسی وقت خاص انداز سے اہل علم اور اہل مدارس سے اس کا تذکرہ اور خاص انداز سے نکیر کرنا شروع فرما دیا تھا، کئی مرتبہ احقر کے سامنے بھی فرمایا، حضرت شاہ ابرار الحق صاحب کی یہ بات احقر راقم الحروف نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب سے عرض کی، حضرت شیخؒ نے بغور سنا، اور اس کا جواب ارشاد فرمایا جو اس وقت ذہن میں صرف اتنا محفوظ ہے کہ ختم بخاری کے موقع پر اہتمام و اجتماع صرف ختم بخاری کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ فارغ ہونے والے طلبہ کو دستار فضیلت اور الوداعی نصائح اور دینی خدمات کے لئے ان کو آمادہ اور تیار کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے۔

الغرض اس نوعیت کا ختم بخاری کا اہتمام اسلاف کے یہاں تو احقر کے علم میں نہیں، البتہ بعض اکابر اور بعض بڑے دینی اداروں میں اس کا اہتمام ہونے لگا ہے، اس کے متعلق ہمارے اکابر کے دونوں قسم نقطۂ نظر ہیں، بعض اکابر نے مفاسد سے بچتے ہوئے مصالح کے پیشِ نظر حدود میں رہتے ہوئے اس کو اختیار کرنے کی اجازت دی ہے، جب کہ بعض دوسرے اکابر نے مصالح کا اعتبار نہ کرتے ہوئے مفاسد کے پیش نظر اس کو ناپسند کیا ہے، خصوصاً جب کہ اس کو جشن کی صورت دی جانے لگے یا عورتوں کے مخلوط اجتماع کی نوبت آنے لگے، یا حد سے زائد اس کا اہتمام کیا جانے لگے، ایسی صورت میں ہمارے اکابر حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ،حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ندوی وغیرھم منع فرماتے ہیں، فقہاء کی تصریحات بھی ہی اس کی مؤید ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب اور مولانا صدیق احمد صاحب نے بعض اہل مدارس اور ان کے ذمہ داروں کو جو خطوط لکھے مزید فائدہ کے پیش نظر ہم ان خطوط کو یہاں نقل کرتے ہیں تا کہ آئندہ بھی ان خطوط سے بھی رہنمائی حاصل کی جاسکے۔

ختم بخاری شریف کے متعلق حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کا مکتوب حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی کے نام

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مکرمی جناب مولانا صدیق احمد صاحب زید لطفہ السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس وقت آپ کی خدمت میں دو باتوں کی گزارش کا داعیہ ہوا۔ ایک معاملہ ختم بخاری شریف کا ہے دوسرا معاملہ حالات خاصہ یعنی بیماری ومصائب وغیرہ میں ختم بخاری

شریف کرنے اور کرانے کا اہتمام، ختم بخاری شریف پر دعاء کا قبول ہونا اور مشکلات و تکالیف کے موقع پر اس کے ختم کی برکت سے سکون ملنا اور آسانی کی صورت پیدا ہو جانا یہ صرف اکابر کے مجرّبات میں سے ہے، البتہ ختم قرآن پاک یا تلاوت قرآن پاک پر دعاء کا قبول ہونا، اس سے پریشان کن حالات میں تسلی و تشفی کی صورتیں پیدا ہونا اس پر نہ صرف یہ کہ تجربات شاہد ہیں بلکہ یہ نص سے بھی ثابت ہے، اس لئے اس کا اختیار کرنا اہم و مؤکّد ہے۔

اب معاملہ یہ ہے کہ ختم بخاری شریف پر پہلے سے تاریخ کا تعین اور اس پر مستزاد یہ کہ بعض جگہ عمومی و خصوصی دعوت ناموں کے ذریعہ اس میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے، پھر آنے والوں کے لئے طعام کا بھی انتظام کیا جاتا ہے، پھر یہ کہ حالات خاصّہ میں اس کے ختم کا اہتمام کرنا جو کہ صرف ایک تجرباتی چیز ہے نیز یہ کہ اس میں نسبۃً دشواری بھی ہے مشقت بھی ہے، اس کے بالمقابل جو چیز منصوص ہونے کے ساتھ ساتھ سہل و آسان بھی ہے اور سراپا خیر و برکت و رحمت بھی ہے اس کو چھوڑنا حد سے تجاوز معلوم ہوتا ہے، اب نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ اکثر مقامات پر جہاں بخاری شریف کا ختم ہوتا ہے وہاں ختم قرآن پاک کا ذکر بھی نہیں آتا اور نہ ایسے اجتماع میں ختم کرایا جاتا ہے، ایسے معاملات سے غیر منصوص کی منصوص پر ترجیح عملاً لازم آتی ہے، اس طرح کے ختم میں شرکت کے دعوت نامہ پر حاضری سے معذرت کر دیا کرتا ہوں اور اس پر نکیر بھی، لہٰذا آپ سے دریافت ہے کہ احقر کا یہ خلجان و عمل صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو تائید فرما دیں ورنہ اس کی اصلاح کی گزارش ہے۔

والسلام

ابرار الحق

حضرت اقدس نے جواب تحریر فرمایا:

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مخدومی حضرت اقدس دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چند سالوں سے ختم بخاری شریف کے سلسلہ میں جو غلو ہو رہا ہے، اس کے بارے میں حضرت والا نے جو تحریر فرمایا ہے وہ بالکل صحیح ہے، حضرت کی توجہ کی برکت سے اہل مدارس سے اس میں گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ مرکزی مدارس کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے، وہاں جو چیز ہوتی ہے مدارس میں بھی شروع ہو جاتی ہے۔

احقر صدیق احمد

خادم مدرسہ عربیۃ، ہتورا، باندہ

۵ رشعبان ۱۴۱۷ھ

(تحفہ مدارس مکاتیب حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی ص ۸۷)

افتتاح بخاری وختم بخاری کے سلسلے میں حضرت مولانا سید صدیق احمد باندویؒ کا مکتوب گرامی

ایک بڑے مدرسہ کے ناظم صاحب نے بخاری شریف کے افتتاح کے لئے حضرت کو اپنے مدرسے میں آنے کی بڑے اصرار سے دعوت دی، دعوت نامہ میں تحریر فرمایا: کہ حضرت سے گزارش ہے کہ صرف چند منٹ کا وقت عنایت فرما کر بخاری شریف کا افتتاح فرما دیں۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے جواب تحریر فرمایا:

از مدرسہ عربیہ ہتورا، ضلع باندہ

مکرم بندہ زید کرمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج بعافیت ہو، آج لفافہ ملا، مدرسہ میں حاضری میری سعادت ہے، اگر موقع نکل سکے تو احقر کی ایک خواہش پوری ہو جائے گی،

اس کے بعد گزارش ہے کہ احقر سے کچھ بیان کرا لیجئے، بخاری شریف کا افتتاح نہ کرائیے، اس کی اہلیت نہیں، بخاری شریف آج تک پڑھائی نہیں، کہیں إذا وُسِّدَ الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة کا مصداق نہ ہو۔

نیز احقر کا ایک مزاج ہے بخاری شریف کا افتتاح اسی شخص سے ہونا چاہیے جو اس وقت مدرسے میں بخاری شریف پڑھائے، اس مدرسہ کے کسی دوسرے مدرّس سے بھی یہ کام نہ کرانا چاہیے، چہ جائیکہ کسی دوسرے مدرسے کے مدرّس سے یہ کام لیا جائے، اس سے طلبہ پر فطری طور پر یہ بات ذہن میں پیدا ہوگی کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص جو افتتاح یا ختم کرا رہا ہے ہمارے استاذ سے افضل ہے۔ اور یہ خطرہ دل میں پیدا ہو جانا طالب علم کے لئے محرومی کا سبب ہو سکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس خیال سے دوسرے بھی متفق ہوں۔ وللناس فيما يعشقون مذاهب. اب آپ بتائیں جس پر اس خیال کا غلبہ ہو، دیانۃً وہ اس کام کو کیسے کر سکتا ہے، یہ اس لئے عرض کر دیا کہ وہاں اس کام کے لئے احقر سے اصرار نہ کیا جائے بلکہ اس سلسلہ میں کوئی گفتگو نہ ہو۔

طالب دعاء

احقر صدیق احمد

خط لکھنے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ: خواہ مخواہ لوگوں نے افتتاح بخاری یا ختم

بخاری کو اہمیت دے رکھی ہے اور اب اس کا بہت رواج ہو گیا ہے، ہمارے اکابر کے یہاں یہ چیزیں نہیں تھیں، اور اب تو اس کا بہت اہتمام ہونے لگا ہے، محض اس کے لئے اشتہار چھپتے ہیں، دعوت نامے تقسیم ہوتے ہیں یہ چیزیں میرے دل میں شروع سے کھٹکتی ہیں کہ اس کا اتنا اہتمام کیوں ہوتا ہے، محض رواج ہو جانے سے کوئی چیز سنت تو بن نہیں جائے گی، ایک صاحب نے کہا کہ لوگ آپ کو برکت و دعاء کے لئے بلاتے ہیں اصل مقصود یہی ہوتا ہے، حضرت نے فرمایا: ہاں دعا کروں گا اس سے کہاں انکار ہے، لیکن اس کے لئے اس اہتمام کی کیا ضرورت ہے اور کیا دعاء ختم بخاری شریف کے بعد قبول ہوتی ہے ختم قرآن کے بعد دعا قبول نہیں ہوتی؟ ختم قرآن کے بعد دعاء کیوں نہیں کرتے، کیا بخاری کا درجہ قرآن سے بھی بڑھ گیا؟ (ماخوذ از تحفۂ مدارس ص ۸۴)

فائدہ: ہمارے اکابر کی یہ احتیاط اور طرز عمل فقہاء کے بیان کردہ اس اصول کے بالکل مطابق ہے: ”أن الأمر إذا ضاق اتسع ، وإذا اتسع ضاق ، و جمع بينهما بعضهم بقوله: كلما تجاوز عن حده انعكس إلى ضده.“

(الأشباه و النظائر القاعدة الرابعة/ ۱۳۸)

اصحاب دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کا طرز عمل

دار العلوم دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور میں بھی تعلیم کے آخری سال میں ختم بخاری شریف ہوتا ہے، لیکن بغیر کسی خاص اہتمام کے، نہ تو دعوت ناموں کا اہتمام نہ ہی جلسہ اور جشن کی صورت، نہ مدرسہ کے تمام اساتذہ وطلبہ کے جمع ہونے کا اہتمام، بس کیف ما اتفق بروقت جو لوگ موجود ہوئے اپنی مرضی سے دعاء میں شریک ہو گئے، لیکن ادھر چند سالوں سے یہ سلسلہ بڑھنے لگا، لوگ اپنے طور پر ایک دوسرے کو اطلاع اس پروگرام کی دینے لگے

، ختم بخاری شریف کے وقت کی تعیین بھی ہونے لگی، اور اس میں شرکت کا اہتمام بھی اس حد تک بڑھنے لگا کہ بعض مرکزی اداروں میں دعاء میں شرکت کے لئے مردوں کے علاوہ خواتین بھی دور دراز سے سفر کی مشقتیں برداشت کر کے آنے لگیں، اچھے خاصے اجتماع اور جشن کی صورت بننے لگی، اسکے نتیجہ میں بعض جگہ مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع بھی لگا، بعض مدرسہ والوں کو تو اس میں بڑا فائدہ نظر آیا کہ مدرسے کی شہرت اور چندے میں کافی اضافہ ہوگا، اس لئے اہل مدارس اور عوام الناس کی اس میں دلچسپی بڑھتی جارہی تھی، بلا شبہ یہ صورتِ حال حدود سے تعدی اور بہت سے مفاسد کو متضمن تھی، اس لئے اس صورتِ حال کے پیشِ نظر اصحابِ دارالعلوم دیوبند نے اس سلسلہ کو قطعاً موقوف کر دیا۔ اور مدرسہ کے ذمہ داروں کی طرف سے بھی یہ ہدایت کر دی گئی کہ ختم بخاری شریف کے لئے نہ تو تاریخ کا تعیّن ہوگا، نہ ہی اس کے لئے جلسہ اور جشن کا اہتمام ہوگا، بعض اساتذۂ حدیث نے بخاری شریف کے درس میں دارالحدیث میں تمام طلبہ کے سامنے اس اہتمام سے جشن کی صورت اختیار کر لینے کو بدعت قرار دیا، الحمدللہ دارالعلوم دیوبند میں ختم بخاری شریف کے عنوان سے جلسہ و جشن کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا، بس ختم کے دن اساتذہ و طلبہ جو بر وقت موجود رہتے ہیں مل کر دعا کر لیتے ہیں اور بس۔

تقریباً یہی طریقہ مظاہر علوم سہارنپور میں بھی ہے دیگر مدرسہ والوں کو بھی یہی طرز اختیار کرنا چاہیے:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب ختم بخاری شریف کے موقع پر طلبہ کو نصیحتیں بھی فرماتے اور بڑی رقت آمیز دعا فرماتے اور اکثر ایسا ہوتا کہ اپنے محسن و مربی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے فرزند حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم جن

کا اگرچہ علم وتحقیق اور درس وتدریس کا مشغلہ نہیں، لیکن حضرت شیخؒ محض ان کے اکرام میں شیخ زادہ اور استاذ زادہ ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے غایت درجہ محبت وعظمت کے ساتھ ان کو بلاتے اور ختم بخاری شریف کے موقع پر ان کی نصیحتوں کے ساتھ انھیں سے اختتامی دعاء کراتے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر کے نقشِ قدم پر ثبات قدمی کی توفیق نصیب فرمائے۔

حضرت شیخؒ کا ختم بخاری شریف کا درس

جامعہ عربیہ ہتورا ضلع باندہ میں جب سے دورۂ حدیث شریف شروع ہوا، تقریباً ہر سال تعلیم کے آخری سال میں ختم بخاری شریف کے موقع پر حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کو بلانے کا اہتمام فرماتے تھے، جس میں حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ اپنے علاقے کے بہت سے متعلقین کو حضرت شیخؒ سے مربوط ہونے اور اصلاحی تعلق قائم کرنے کا ماحول بناتے تھے، چنانچہ بہت سے حضرات جن کے لئے سہارنپور کا سفر کرنا دشوار ہوتا تھا، اسی موقع پر حضرت شیخؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرماتے، اور بڑی تعداد میں لوگ بیعت ہوتے، حضرت شیخ کی قیام گاہ میں ذکر کی مجلس بھی ہوتی اور وقتاً فوقتاً علمی و اصلاحی ارشادات سے اصحاب علم و اساتذۂ مدرسہ کے علاوہ دوسرے حضرات بھی خوب خوب مستفید ہوتے۔

بعض سالوں میں حضرت شیخؒ تشریف نہیں لا سکتے، تو حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ نے ہی ختم بخاری شریف کرایا۔

عموماً جامعہ عربیہ ہتورا باندہ میں ختم بخاری شریف مظاہر علوم سہارنپور میں ختم بخاری کے بعد ہی فوراً یعنی دوسرے یا تیسرے دن ہوتا تھا، آخری درس کے سارے

مضامین یقیناً حضرت شیخؒ کو مستحضر رہتے تھے، لیکن جامعہ عربیہ ہتورا میں ختم بخاری شریف کے موقع پر بعض مرتبہ احقر نے دیکھا کہ حضرت شیخؒ نے بڑے اہتمام سے "فتح الباری" وغیرہ کی آخری جلد منگوائی، اس کا مطالعہ کیا، اس کے بعد ختم بخاری شریف کے لئے تشریف لے گئے، جانے سے قبل غسل اور خوشبو کا اہتمام فرماتے پھر دو رکعت نفل پڑھ کر تشریف لے جاتے، ختم بخاری شریف عموماً مسجد میں ہوتا تھا، حضرت شیخؒ پر اس وقت بڑی رقت طاری رہتی، مجلس ختم بخاری میں کبھی حمد و نعتیہ کلام پڑھا جاتا، اس وقت حضرت شیخؒ پر بسا اوقات خاص حالت طاری ہو جاتی اور بے ساختہ عجیب انداز سے "إلّا اللّٰه" کی آواز صادر ہو جاتی۔

حضرت شیخؒ کے ختم بخاری شریف کے درس میں بڑی تعداد میں اصحاب علم اور اساتذۂ حدیث شریک ہوتے، فارغ ہونے والے طلبہ حضرت کے سامنے بیٹھے ہوتے اور دائیں بائیں طرف کبار علماء اور مدرسے کے اساتذہ تشریف فرما ہوتے، جن کے لئے خصوصی نشست کا انتظام ہوتا، اس کے علاوہ پورے مجمع میں دور و دراز سے آئے ہوئے خواص و عوام بھی شریک ہوتے، مجمع چونکہ خواص اور اصحاب علم کے علاوہ دوسرے لوگوں پر بھی مشتمل ہوتا تھا، اس لئے دورانِ درس حضرت شیخؒ علمی مضامین کے ساتھ اصلاحی مضامین بھی بیان فرماتے تھے۔ لیکن بخاری شریف کی آخری حدیث کی عالمانہ، محققانہ پوری تشریح فرماتے تھے، بعض سالوں میں جب کہ طبعی نشاط ہوتا تو حدیث سے متعلقہ تمام کلامی مضامین اور بخاری شریف کی پہلی اور آخری حدیث میں مناسبت اور اس کے علاوہ علمی و فنی مباحث بیان فرماتے، جن میں فرق باطلہ مثلاً معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ کا تعارف اور ان کے باطل نظریات کی تردید تفصیل سے بیان فرماتے۔

احقر کے شیخ و مربّی حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ (ناظم و بانی جامعہ عربیہ ہتورا باندہ، جن کی خدمت کی سعادت الحمدللہ احقر کو حضرت کی اخیر زندگی تک رہی) وہ بھی اس ختم بخاری کی مجلس میں حضرت شیخؒ کے قریب تپائی (بینچ) پر کتاب کھول کر طالب علمانہ انداز میں نہایت تواضع اور سادگی کے ساتھ بیٹھتے، جیسے ایک طالب علم اپنے باوقار استاذ کے سامنے بیٹھتا ہے، حضرت شیخ کا درس شروع ہوا تو حضرت اقدس مولانا سید صدیق احمد باندویؒ نے اس کو قلم بند کرنا شروع کیا، پوری تفصیل تو نہیں لکھی، لیکن درس کے مرکزی مضامین اور تقریر کی بنیادی باتوں کو حضرت نے پورے اہتمام سے اپنے دست مبارک سے لکھا، بعد میں احقر نے اس کو صاف کر کے عناوین قائم کر کے حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے اس کو پسند کیا اور خوش ہوئے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کا درس بخاری بہت سے لوگوں نے ضبط کیا اور شائع کیا ہے، لیکن اس ختم بخاری کے درس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کو عارف باللہ جلیل القدر بزرگ کہ خود شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب بھی جن کے بہت معتقد اور قدرداں تھے انہوں نے اس کو ضبط کیا اور اپنے دست مبارک سے لکھا اور بعد میں بغور حرفاً حرفاً اس کو ملاحظہ فرما کر اس کی تصویب فرمائی، ختم بخاری شریف کا یہ درس مختصر ہونے کے باوجود ان شاء اللہ بہت نافع اور بابرکت ہوگا۔

احقر راقم الحروف نے شیخؒ کے اس بابرکت درس ختم بخاری کے ساتھ حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب کا افتتاح بخاری کا درس بھی شامل کر دیا، جس میں حضرت مولانا نے اپنے مدرسہ میں دورۂ حدیث شروع ہونے کے سال میں افتتاحِ بخاری کے موقع پر دورۂ حدیث کے طلبہ کے سامنے چند اہم مختصر نصیحتیں و ہدایتیں اور حدیث پڑھنے

کے آداب ارشاد فرمائے تھے اس کو بھی شامل کردیا، نیز حضرت امام بخاریؒ کے حالات پر مشتمل ایک مضمون حضرت مولانا نے تحریر فرمایا تھا، اس کو بھی شامل کردیا، مزید فائدے کے لئے اخیر میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ایکؒ کا مضمون جو حدیث پڑھنے والے نیز فارغ ہونے والے طلبہ کے لئے الوداعی نصائح پر مشتمل ہے اس کو بھی اس مجموعہ کا جزء بنادیا، سب سے اخیر میں حضرت شیخؒ کی بخاری شریف کی سندیں جمع کردیں، یہ مختصر رسالہ جو ’’افتتاحِ بخاری وختم بخاری‘‘ کے نام سے شائع ہو چکا ہے ان شاء اللہ حدیث پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لئے ہر لحاظ سے مفید اور نافع ہوگا، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمائے اور تمام اہلِ علم کے لئے نافع بنائے۔ آمین

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث وفقہ

دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ

۶ جمادی الاولی ۱۴۳۹ھ